یقینِ محکم

مُصنّفہ

واعظ و مبلغ حسینیت

شیخ محمد علی پٹیالوی

(مدیر اعزازی ماہنامہ "معارفِ اسلام" لاہور)

ناشر

رحمت اللہ بک ایجنسی ۔ ناشران و تاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

جدول ولادت وشہادت چہاردہ معصومین علیہم السلام

اسمائے مقدس	تاریخ ولادت	تاریخ شہادت
حضرت محمد مصطفیٰ ص	۱۷ ربیع الاول	۲۸ صفر
حضرت فاطمۃ الزہرا	۲۰ جمادی الثانی	۳ جمادی الثانی
حضرت علی المرتضیٰ	۱۳ رجب	۲۱ رمضان
حضرت حسن مجتبیٰ	۱۵ رمضان	۲۸ صفر
حضرت حسین شہید کربلا	۳ شعبان	۱۰ محرم الحرام
حضرت زین العابدین	۱۵ جمادی الثانی	۲۵ محرم الحرام
حضرت محمد باقر	یکم رجب	۷ ذوالحجہ
حضرت جعفر صادق	۱۷ ربیع الاول	۱۵ شوال المکرم
حضرت موسیٰ کاظم	۷ صفر	۲۵ رجب
حضرت علی رضا	۱۱ ذیقعدہ	۲۳ ذیقعدہ
حضرت محمد تقی	۱۰ رجب	۲۹ ذیقعدہ
حضرت علی نقی	۵ رجب	۳ رجب
حضرت حسن عسکری	۱۰ ربیع الثانی	۸ ربیع الاول
حضرت مہدی	۱۵ شعبان	بحکم خدا زندہ ہیں

اظہارِ تشکر

حسینیہ تبلیغی چارٹ کی اشاعت کے بعد اپنے محترم ومخدوم علماء کی جانب سے حوصلہ افزائی وسرپرستی ہونے پر میں نے اپنی ۴ برس کی تحقیق کے مطابق "یقینِ محکم" ترتیب دی۔ اس میں اکثر حوالے وہ ہیں جنہیں پڑھ کر میں نے مذہب امامیہ قبول کیا۔ امید ہے کہ مومنین میری اس ادنیٰ خدمت کو شرف قبولیت بخشیں گے اور خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔

میں اپنے علمائے کرام کا اور "یقینِ محکم" کی اشاعت کے لئے تعاون فرمانے والے مومنین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ممنونِ محسنین — محمد علی پٹیالوی

یہ کتاب فرزندِ رسولؐ، جگر گوشۂ بتولؑ یعنی
عباسؑ کے مولا، سکینہؑ کے بابا، زینبؑ و اُمِ کلثومؑ کے بے کس بھائی
شاہِ غریب الوطن امامِ مظلوم و بے کفن، پیارے حسینؑ کے نام سے
منسوب ہے

جنہوں نے کربلا میں وقتِ رخصت یہ وصیت فرمائی تھی۔
"اے میرے شیعو! جب کبھی تم ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے یاد کر لینا۔
یا جب کبھی تم کسی بے وطن یا شہید کا حال سنو تو مجھے بلند آواز
سے رونا۔ اے کاش کہ تم روزِ عاشورہ میں سب کے سب مجھے
دیکھتے (کہ) کس طرح میں نے اپنے بچے کے لئے پانی مانگا، پس
انہوں نے مجھ پر رحم کرنے سے انکار کر دیا۔"

سوگوارِ حسینؑ محمد علی پٹیالوی

فہرست



مقصدِ تحریر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ۔ اما بعد

مخفی نہیں کہ شیعیانِ اہلِ بیتؑ سے عموماً مذہبِ امامیہ کے متعلق سوالات ہوتے رہتے ہیں۔ جن کے سلسلہ میں حوالوں کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اس لئے ایسی کتاب کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو ضروری حوالوں سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ ملکی تقاضوں کے مطابق۔ دل آزاری کے پہلوؤں سے بالکل الگ رہ کر، رواداری کو ملحوظ

رکھتے ہوئے تحریر کی گئی ہو۔ تاکہ غیر شیعہ مسلمان بھائی بھی مذہب شیعہ کی
تحقیق و تفہیم کے لیئے بلا ہچکچاہٹ مُطالعہ کر سکیں۔

علاوہ ازیں دُوسری کتابیں علمی لحاظ سے تو مفید ہیں لیکن ضخامت و
سائز میں بڑی ہونے کی وجہ سے جیب میں نہیں آسکتیں اگر کسی نے
ضرورت محسوس کرتے ہوئے پاکٹ بُک تحریر بھی کی تو ضخامت و سائز
کے لحاظ سے اُسے "پاکٹ بُک" نہ رہنے دیا نتیجہ یہ کہ جیبی سائز کی کوئی
ایسی کتاب موجود نہ تھی جو ضروری مسائل کے حوالوں سے مزین ہونے کی
وجہ سے بوقتِ ضرورت کار آمد ہونے کے ساتھ ساتھ مناظرانہ شدّت
سے الگ رہتے ہوئے رواداری سے لکھی ہوئی ٹھوس علمی دستاویز ہو تاکہ
غیر شیعہ شائقینِ تحقیق مسلمان بھائیوں کے لیئے بھی مفید ثابت ہو سکے
ان امور کے پیشِ نظر یہ کتاب "یقینِ محکم" تحریر کی گئی ہے۔ اُمید

ہے کہ آپ اسے نہ صرف علمی لحاظ سے مفید بلکہ موجودہ دور کے تقاضوں
کے مطابق، مناظرانہ تلخیوں سے قطعاً محفوظ، روادارانہ انداز سے لکھی
ہوئی تبلیغی پاکٹ بک پائیں گے

اس کتاب کا مطالعہ فرماتے ہوئے آپ یہ کئی جگہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ
میں نے بعض نام لکھنے سے گریز کیا ہے کیونکہ میں نے دِل آزاری سے
دُور رہنے کی پُوری کوشش کی ہے تاکہ میرے غیر شیعہ مسلمان بھائیوں
کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اسی لئے بعض واقعات و مسائل کی
تفصیل نہیں لکھ سکا اور محض حوالوں پر اکتفا کیا ہے جہاں تک حوالوں
کا تعلق ہے بفضلِ خدا میرا دعویٰ ہے کہ "یقینِ محکم" کا ایک حوالہ بھی غلط ثابت
نہیں ہوگا۔ اس کتاب پر میں نے جو محنت کی ہے اُس کا اندازہ آپ خود
فرمالیں گے

عموماً کتابوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور طباعت وکتابت کے لحاظ سے اچھی بھی نہیں ہوتیں۔ اس روش کے بالکل خلاف "یقینِ محکم" کو آپ نہ صرف طباعت وکتابت بلکہ کاغذ اور جلد کے لحاظ سے بھی معیاری پائیں گے میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں اس کا فیصلہ آپ خود فرمائیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

فقیرِ درِ اہل بیتؑ



نوٹ: "یقینِ محکم" میں جن کتابوں کے حوالے تحریر ہوئے ہیں ان میں سے اکثر کتب پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہیں۔

مصنف



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ثبوتِ ماتم

حضرت رسولِ خداؐ کے سامنے ماتم

کتاب "موطا امام مالک" (اردو ترجمہ از علامہ وحید الزماں شائع کردہ ولی محمد اینڈ سنز بلز اسٹریٹ آوٹ رام روڈ پاکستان چوک کراچی) کتاب الصیام، باب جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ ص ۱۲۶، حدیث نمبر ۶۰۳ کی عبارت بعینہٖ حسب ذیل ہے:-

"سعید بن مسیب نے کہا ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس سینہ پیٹتا ہوا اور بال اکھاڑتا ہوا آیا۔ کہہ رہا تھا نیکیوں سے دور رہنے والا ہلاک ہوگیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کیا ہوا کہنے لگا میں نے اپنی بیوی

سے رمضان میں روزے ہیں ——— فرمایا کیا ایک غلام آزاد
کرسکتے ہو کہنے لگا نہیں۔ فرمایا ایک اونٹ یا ایک گائے قربانی کے
لئے حرم بھیج سکتے ہو (یہ جملہ عطاء والی روایت میں ہے جسے محدثین
نے غلط کہا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھ سکتے
ہو) کہنے لگا نہیں فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں آپ کے پاس کھجوروں
کا ایک ٹوکرا آیا۔ فرمایا اسے لے لو اور صدقہ کردو۔ کہنے لگا۔ اے اللہ
کے رسولؐ مجھ سے زیادہ کوئی حاجت مند نہیں۔ فرمایا تم ہی کھالو اور
روزے کی قضا کرلو۔"

نکتہ اوّل وہ دیہاتی مسلمان تھا اور اس نے حضورؐ کی صحبت بھی
پائی۔ لہٰذا صحابی ہوا۔ ظاہر ہے کہ دیہاتی صحابی نے
حضورؐ کے سامنے سینہ پیٹا اور بال بھی اکھاڑے لیکن حضورؐ نے

اُسے سینہ پیٹنے سے منع نہیں فرمایا اور محدثین اہل سنۃ والجماعۃ
بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قولی اور فعلی حدیث کے علاوہ حدیث
کی ایک قسم "تقریر رسولؐ" کہلاتی ہے یعنی حضورؐ کے سامنے کوئی فعل کیا
جائے یا کوئی بات کہی جائے اور حضورؐ منع نہ فرمائیں تو اُس قول یا
فعل کو جائز تسلیم کیا جائے گا اُسے "حدیث تقریری" یا "تقریر رسولؐ"
کہتے ہیں۔ لہٰذا ماتم کرنا یعنی پیٹنا حدیث تقریری سے جائز ثابت ہوا۔

نکتہ ۲ امام اہل سنۃ والجماعۃ مالک کی کتاب موطاء کے
مندرجہ بالا حوالے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صحابی محض
ایک روزہ کے ٹوٹنے کی وجہ سے غمزدہ تھا اور اسی غم کی وجہ سے
سینہ پیٹ رہا تھا۔ لہٰذا غم حسینؑ میں پیٹنا کیوں ناجائز ہونے لگا؟
جبکہ ایک روزہ کے ٹوٹنے کی نسبت واقعۂ کربلا زیادہ دردناک ہے

زینبؑ و اُمِ کلثومؑ کی بے ردائی زیادہ غمناک واقعہ ہے۔

نکتہ ۳ موطا امام مالک سے ثابت ہوا کہ رسولِ خداؐ نے سینہ پیٹنے پر اعتراض نہیں فرمایا بلکہ سینہ پیٹنے والے سے ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ لہٰذا ماتم پر اعتراض کرنا سُنّتِ رسولؐ کے خلاف ہے اور ماتم کرنے والوں سے ہمدردی اور حُسنِ سلوک سے پیش آنا محمدِ مصطفٰےؐ کی سُنّت ہے۔

مؤذنِ رسولؐ، بلالؓ نے ماتم کیا

حضرت رسولِ خداؐ کے مرضِ وفات کا احوال تحریر فرماتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث حنفی دہلوی کتاب مدارج النبوۃ مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ صفحہ ۵۴۴ سطر ۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"پس بیرون آمد بلالؓ دست بر سر زناں و فریاد کناں" یعنی پس

حضرت بلال سر پیٹتے اور فریاد کرتے ہوئے باہر تشریف لائے (یعنی اصحابِ پیغمبرؐ مسجد میں نماز کے لئے حضورؐ کا انتظار فرما رہے تھے اور حضرت بلالؓ حضورؐ کے پاس نماز ہی کے لئے گئے تھے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ تشریف نہیں لائیں گے تو محبتِ رسولؐ میں حضورؐ کی تکلیف کے احساس و غم میں حضرت بلالؓ صحابی سر پیٹتے ہوئے حجرۂ حضرتِ عائشہ سے باہر آئے)

نکتہ یہ واقعہ اُس وقت ہوا جب کہ رسولؐ ظاہراً ابھی زندہ تھے لہٰذا حضرت بلالؓ نے زندہ رسولؐ کے لئے ماتم کیا اور فریاد بھی کی۔ مزید قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب حضرتِ بلالؓ ماتم کرتے ہوئے مسجد میں آئے تو کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ (معاذ اللہ) ماتم کرنا تو ناجائز ہے اے بلالؓ تم ماتم کیوں کرتے ہو؟

حضرتِ زہراؑ نے ماتم کیا

جنگِ اُحد کے احوال میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی مدارج النبوۃ مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ سطر ۱۴-۱۵ میں شہادتِ پیغمبرؐ کی افواہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ایں آواز شنید دست بر سر زناں از خانہ بیروں دوید"

ترجمہ - اور فاطمہ زہراؑ نے یہ آواز سُنی (کہ حضورؐ شہید ہو گئے) سر پیٹتی ہوئی گھر سے باہر (اُحد کی جانب) دوڑیں"

نکتہ اگر شہید کا ماتم حرام ہوتا تو رسولؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؑ خاتونِ جنّت شہادتِ پیغمبرؐ کی آواز سُن کر ہرگز ماتم نہ کرتیں کیونکہ سیدہ طاہرہ شریعت کی عالمہ تھیں۔

مقام شیخ عبدالحق محدّث

"مدارج النبوۃ" کے حوالے نہایت اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ مدارج النبوۃ کے مصنّف شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اہل سنۃ والجماعۃ کے ایسے جلیل القدر عالم و محدّث تھے جن کو علاّمہ احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی تصنیف "برکات الامداد لاہل الاستمداد" کے صفحہ ۱۹ پر "شیخ الشیوخ علماء الہند" اور اپنی کتاب حیات الموات کے صفحہ ۸۵ پر "شیخ محقق، برکت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الہند" تسلیم کیا ہے اور حیات الموات مصنّفہ احمد رضا خاں بریلوی کے صفحہ ۸۵ پر "مدارج النبوۃ" کو شیخ عبدالحق محدّث کی تصنیف بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

نوٹ :- علاّمہ احمد رضا خاں بریلوی کی کتاب "حیات الموات" اور "برکات الامداد لاہل الاستمداد" نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور

سے مل سکتی ہیں۔

حضرت عائشہ نے بھی ماتم کیا

مسند امام احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد ۶ صـ ۲۷۴ میں حضرت عائشہ کے متعلق یوں مرقوم ہے :-

قالت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض وهو في حجري ثم وضعت راسه على وسادة وقمت التدم مع النساء واضرب وجهي "یعنی (حضرت عائشہ) نے بیان کیا کہ رسولِ خدا کی وفات ہوئی اور وہ میری گود میں تھے۔ پھر میں نے آنحضرت کا سرِ مبارک تکیہ پر رکھ دیا اور میں عورتوں کے ہمراہ ماتم کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی اور میں نے اپنا منہ پیٹا۔

نوٹ :- یہ حوالہ اہل سنۃ والجماعۃ کے امام احمد حنبل کی مسند کا

ہے۔ امام احمد حنبل اُن چار اماموں میں سے ایک تھے جن پر حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اہل سنۃ والجماعۃ کی فقہ کا دارومدار ہے۔ اور امام احمد حنبل ہی کی فقہ پر شیخ عبدالقادر بغدادی عمل کرتے تھے۔ مسند احمد حنبل کے علاوہ حضرت عائشہ کا ماتم کرنا تاریخ کامل ابن الاثیر مطبوعہ مصر الجزء الثانی صـ ۱۲۲ سطر ۳۴ تا صـ ۱۲۳ سطر ۴، اور تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مطبوعہ مصر جلد ۳ صـ ۱۹۷ سطر ۱۰ تا سطر ۱۳۔

نکتہ

حضرت رسولِ خدا کے اُمتی شہید زندہ ہیں تو اُن شہیدوں کے آقا و مولا حضرت محمد مصطفٰے بھی زندہ ہیں۔ لہٰذا حضرت عائشہ نے زندۂ جاوید رسول کا ماتم کیا۔

تکمیلِ شریعت کے بعد ماتم

شریعتِ اسلام عہدِ رسالت میں مکمل ہو چکی تھی۔ لہٰذا حضرت

عائشہ نے تکمیلِ شریعت کے بعد ماتم کیا جب کہ رسُولؐ کی وفات ہو چکی تھی۔ ثابت ہوا کہ حضورؐ نے ماتم کو حرام قرار نہیں دیا تھا۔ بصُورتِ دیگر حضرت عائشہ پر الزام آئے گا۔ اور یہ الزام درست نہ ہوگا۔ ثابت ہوا کہ زندۂ جاوید کا ماتم جائز ہے شریعت نے حرام نہیں کیا۔

قرانِ مجید میں ثبوتِ ماتم

اسحٰقؑ (ذبیح) کی والدہ اور حضرت ابراہیمؑ خلیلِ خُدا کی زوجہ حضرت سارہؑ نے ابراہیم علیہ السلام کے گھر میں ماتم کیا جیسا کہ قرآن مجید پارہ ۲۶ رکوع ۱۹ سورۃ الذاریات میں حضرت سارہؑ کے متعلق اللہ فرماتا ہے "فَصَكَّتْ وَجْهَهَا" یعنی اُس (معظمہ) نے اپنا مُنہ پیٹا۔ قرآن مجید کی جس آیۂ مقدسہ ومُبارکہ میں یہ الفاظ موجُود ہیں اُس کا ترجمہ حنفیوں کے شیخ الہند محمُود الحسن دیوبندی نے یوں تحریر کیا ہے :-

"پھر سامنے آئی اُس کی عورت بولتی ہوئی پھر پیٹا اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھیا بانجھ"۔

ترجمہ شاہ عبدالقادر محدّثِ اہل سنۃ والجماعۃ میں بھی لفظ "پیٹا" موجُود ہے۔

نوٹ :- علّامہ محمُود الحسن دیوبندی اور عبدالقادر محدّث دہلوی نے فَصَكَّتْ کا ترجمہ "پیٹا" تو صحیح تحریر کر دیا لیکن وَجْهَهَا کا ترجمہ "اپنا ماتھا" تحریر کر گئے۔ حالانکہ "وَجہ" کا معنیٰ مُنہ یا چہرہ لکھنا چاہیئے تھا کیونکہ "وُجُوہ" جمع ہے اور "وجہ" اُس کا واحد ہے۔ اگر وجہ کا معنیٰ ماتھا صحیح قرار دیا جائے "وُجُوہ" کا ترجمہ "ماتھے" ہوگا۔ پھر قرآن مجید پارہ ۶ سورۃ المائدہ کی آیتِ وضو میں "فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ" کا ترجمہ یوں کرنا پڑے گا "پس دھولو اپنے ماتھے" لیکن محض "ماتھے" دھونے سے وضو نہ

ہو گا۔ بلکہ صحیح ترجمہ یوں ہے "پس دھو لو مُنہ اپنے"۔ اسی طرح "فَصَكَّتْ وَجْهَهَا" کا صحیح ترجمہ یہ ہے "پس اُس (عورت) نے پیٹا مُنہ اپنا"۔

صَكَّتْ کا مصدر صَكٌّ ہے اور صَكٌّ کا معنیٰ غیاث اللغات میں "کوفتن، زدن" اور فیروز اللغات (عربی) مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور میں "کوٹنا" لکھا ہے۔ لُغات القرآن غلام احمد پرویز جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ میں صَكٌّ کا معنیٰ یوں لکھا ہے "کسی چیز یا بالخصوص چوڑی چیز کے ذریعے زور سے مارنا"۔

نکتہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت سارہؑ کے پیٹنے کا ذکر فرما کر کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے یہ فعل (معاذ اللہ) ناجائز کیا۔ نہ ہی یہ فرمایا کہ ماتم آئندہ کے لئے حرام ہے۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے گھر میں زوجۂ خلیلؑ کا ماتم ثابت کر کے ملّتِ ابراہیمؑ کے

لئے نمونۂ عمل مہیا فرما دیا۔ اور قرآن مجید پارہ ۱ سورۃ البقرہ رکوع ۱۵ میں یہ بھی فرما دیا "وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ" ترجمہ شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی: "اور کون پسند نہ رکھے دینِ ابراہیم کا، مگر جو بیوقوف ہو اپنے جی سے"۔

حضرت اُویس قرنیؓ یہ رسولِ خدا کے عاشقِ صادق تھے۔ اسمِ گرامی اُویس بن عامرؓ تھا۔ انہوں نے جب غزوۂ اُحد میں دندانِ رسولؐ شکستہ ہونے کی خبر سُنی تو اپنے تمام دانت توڑ لئے۔ دیکھئے تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدُالدین عطّارؒ اور "انسان العیون" المعروف سیر مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۹۵

شہادتِ اویس قرنیؓ حضرت علی مرتضیٰؑ کی حمایت میں لڑ کر، جنگِ صفّین میں حضرت اُویسؓ نے شہادت

پائی۔ دیکھئے "تاریخ الخمیس" مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ سطر ۱۹۔۲۰ اور "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" مصنفہ علامہ ذہبی الدمشقی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۱ حرف الالف، ترجمہ اویس بن عامر سطر ۲۳

نکتہ | محض اپنے سینے پر ہاتھ مارنا یا اپنے جسم کو زخمی کرنا اُتنا شدید ماتم نہیں جتنا اویس قرنیؓ نے کیا۔ کہ اپنے ایک عضوِ جسم کو ختم ہی کر لیا۔

نکتہ | عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ "رسولؐ نے یا امام حسینؑ نے کب فرمایا تھا کہ تم ماتم کرنا" اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے کب فرمایا تھا کہ اویسؓ تم اپنے دانت توڑ لینا؟ رسولؐ نے بی بی عائشہ سے کب فرمایا تھا کہ میری وفات پر مُنہ ضرور پیٹنا؟ حضرت بلالؓ سے کب فرمایا تھا کہ تم سر پیٹ لینا

اور فریاد کرنا؟ حضرت فاطمہ زہرؑا سے کب فرمایا تھا کہ میری شہادت کی خبر سُن کر پیٹنا؟ آخر یہی کہا جائے گا کہ محبت و غم میں یہ سب کچھ ہوا۔ کیونکہ رسولؐ نے حرام نہیں کیا تھا۔ اگر حکم دے کر ماتم کروایا جاتا تو محبت کا پتہ نہ لگتا۔ اور یہ معلوم نہ ہوتا کہ دردِ حسینؑ کس کے دل میں ہے اور کس کے دل میں نہیں۔ چونکہ دلوں کا امتحان مقصود تھا اس لئے حکم دے کر فرض نہیں کیا۔ تاکہ مُحب و غیرِ مُحب ظاہر ہو جائیں۔

ماتم فعلِ اہلبیتؑ ہے

جیسا کہ حضرت فاطمہ زہرؑا کا ماتم ثابت کیا گیا۔ اور سُنی شیعہ دونوں فرقے تسلیم کرتے ہیں کہ جناب سیدہ طاہرہ اہلبیتؑ سے ہیں۔ اور فرمانِ رسولؐ (حدیثِ ثقلین) یہ ہے کہ "میں تم لوگوں میں دو گراں قدر چیزیں

چھوڑے جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور میرے عترتؑ اہلبیتؑ اگر تم ان
دونوں سے تمسک رکھو گے (یعنی دونوں کی پیروی کرو گے) تو تم
لوگ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے"۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے
تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث سُنّی شیعہ ہر دو فریق کے نزدیک صحیح ہے
(دیکھئے تحفہ اثنا عشریہ (اُردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی کراچی ص۲۰۱) لہٰذا
اہلبیتؑ کی پیروی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ پھر حضرت فاطمہؑ کی پیروی
کرتے ہوئے ماتم کرنا ہدایت ہی قرار پایا۔

علاوہ ازیں آیۂ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ
اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا" کی رُو سے حضرت فاطمہ زہراؑ
کو ہر لحاظ سے طہارتِ کاملہ حاصل ہے۔ اِس لئے یہ گمان ہی نہیں ہو
سکتا کہ سیّدۂ طاہرہؑ سے (معاذ اللہ) شریعت کے خلاف فعل صادر ہو۔

لہٰذا فعل حضرت فاطمہؑ زہرا ہونے کی وجہ سے ماتم جائز ہوا۔
جو غیر شیعہ حضرات ازواجِ رسولؐ کو بھی اہلبیت میں شمار کرتے ہیں
اُن کے لئے فعل حضرت عائشہ ہونے کی وجہ سے بھی ماتم جائز ہو گا۔
دُوسری جانب قرآن سے حضرت سارہؑ کا پیٹنا ثابت ہو چکا۔ لہٰذا ماتم
قرآن و اہلبیتؑ دونوں کی پیروی ہے۔

شبیہ کا جواز

تماثیلِ سُلیمانؑ

قرآن مجید پارہ ۲۲ سُورۃ السبا رکوع ۷ میں
اللہ نے حضرت سلیمانؑ کا ذکر یوں فرمایا ہے:۔
یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ
کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ۔ ترجمہ از علامہ اشرف علی تھانوی:۔

"وہ جنّات اُن کے لئے وُہ وُہ چیزیں بناتے تھے جو اُن کو بنوانا منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اَور مُورتیں اَور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اَور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔"

نوٹ :۔ قرآنِ مجید کے ترجمۂ محمُود الحسن دیوبندی میں "تماثِیل" کا ترجمہ تصویریں لکھا ہوا ہے اَور اُسی کے حاشیہ پر علّامہ شبّیر احمد عثمانی نے تسلیم کیا ہے کہ "مجسّم تصویریں" بناتے تھے لیکن یہ تسلیم کرنے کے بعد ایک عُذر لکھا ہے کہ اُس وقت جائز ہوگا۔ اِس عُذر کا جواب زیرِ عنوان "عقیدۂ توحید اَور تماثیل" دیکھئے۔ علاوہ ازیں حسبِ ذیل کُتبِ تفسیر میں تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جنات سے تانبے، پیتل اَور شیشے وغیرہ سے مجسّمے بنواتے تھے اَور بعض نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اَنبیاءؑ و ملائکہؑ و صالحین کی تصویریں بناتے تھے دیکھئے :۔

(۱) تفسیر کشاف زمخشری مطبوعہ مصر، جلد ۲ تفسیر پارہ ۲۲ سورۃ السبأ ص ۲۲۲ (۲) تفسیر فتح البیان، صدیق حسن قنوجی بھوپالی مطبوعہ صدیقی دہلی الجزالثالث ص ۶۷۳ (۳) تفسیر لباب التاویل (یعنی تفسیر خازن) مطبوعہ مصر جلد ۴، الجز الخامس تفسیر سورۃ السبا، ص ۲۲۴ سطر ۱۷ - ۱۸ (۴) اُردو ترجمہ تفسیر ابن کثیر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی جلد ۴ پارہ ۲۲ سورۂ سبا۔

عقیدۂ توحید اَور تماثیل

یہ اعتراض کہ "تماثیل" زمانۂ سلیمانؑ میں جائز تھیں اَب خلافِ توحید ہیں، درست نہیں کیونکہ حضرت سلیمانؑ اَور حضرت محمد مصطفٰےؐ کا عقیدۂ توحید ایک ہی تھا زمانۂ سلیمانؑ میں بھی وُہی خدا تھا جو اَب ہے۔ اُس کے صفات وہی تھے جو اَب ہیں۔ لہٰذا جو بات زمانۂ سلیمانؑ میں توحید کے خلاف یعنی شرک نہ

تھی وُہ اب کیونکر شرک ہو گئی؟ اگر مجسّم تصویریں بنانا توحید کے خلاف یعنی
شرک ہوتا تو اللہ کی توحید کے معصوم مبلّغ حضرت سلیمانؑ ہرگز تماثیل نہ
بنواتے اور اگر منشائے ایزدی یہ ہوتا کہ شریعت محمدیہ میں تماثیل کو ناجائز
قرار دیا جائے تو اللہ ذکرِ تماثیل سلیمانؑ کے ساتھ ہی فرما دیتا کہ اب جائز
نہیں لیکن اللہ نے قرآن میں ایسا نہیں فرمایا۔ لہٰذا ازروئے قرآن
تماثیل جائز ہیں۔ شرعی اصطلاح میں بُت صرف اُس مجسّمہ کو کہا جاتا
ہے جسے کوئی معبود سمجھتا ہو۔ ہر شبیہ کو "بُت" کہنے سے حضرت سلیمانؑ
پر الزام آئے گا۔ لہٰذا ہر شبیہ کو بُت کہنا دُرست نہیں۔

عہدِ رسالتؐ میں شبیہ

قرآن مجید کے ترجمہ محمود الحسن دیوبندی
کے حاشیہ پر علامہ شبّیر احمد عثمانی نے جو
عُذر تحریر کیا ہے کہ شریعتِ سُلیمانؑ میں جائز ہوں گی یعنی شریعتِ محمدیہؐ

میں جائز نہیں اُسی عُذر کا جواب پیش کرنے کے لئے اب حدیث پیغمبرؐ
سے ثابت کیا جاتا ہے کہ نہ صرف عہدِ رسالتؐ میں بلکہ زوجۂ رسُولؐ
حضرت عائشہ کے گھر میں مجسّم تصویریں موجود تھیں اور حضرت رسُولِ خداؐ
نے وُہ مجسّمے دیکھے بھی تھے لیکن بی بی عائشہ کو منع نہیں فرمایا۔ اور نہ
ناجائز قرار نہیں دیا جیسا کہ مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۲
کتاب النکاح ص ۱۱۸ حدیث نمبر ۳۱۲۵ کی عبارت یُوں ہے:۔

"حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسُول اللہ صلعم غزوۂ تبوک یا غزوۂ
حنین سے واپس تشریف لائے تو اُن کے گھر کے بڑے طاق میں آپ
نے ایک پردہ پڑا دیکھا جس کا ایک کونہ ہوا سے کھُل گیا اور حضرت عائشہؓ
کے کھیلنے کی گڑیاں اُس میں نظر آئیں تو رسُول اللہ صلعم نے پُوچھا عائشہ
یہ کیا ہے؟ عائشہ نے کہا "یہ میری گڑیاں ہیں"۔ اُن گڑیوں میں نبی صلعم

نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے کاغذ کے یا کپڑے کے،
آپؐ نے پوچھا "یہ اِن گڑیوں کے درمیان کیا چیز ہے؟" عائشہ نے کہا
"یہ گھوڑا ہے" آپؐ نے دریافت فرمایا "اور اس کے یہ پَر کیسے ہیں؟"
عائشہ نے کہا "کیا آپ نے سُنا نہیں حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے
کے پَر تھے"۔ عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم یہ سُن کر ہنس پڑے
کہ آپؐ کی کچلیاں نظر آنے لگیں۔" (ابوداؤد)

نوٹ:۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں "سُنن ابوداؤد" سے نقل ہوئی ہے جو
اُن چھ کتابوں میں سے ہے جنہیں مذہب اہل سنّۃ والجماعۃ میں صحاح
ستّہ چھ صحیح کتابیں تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ حدیث سُنن ابوداؤد (عربی)
مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر الجزء الرابع باب فی اللعب بالبنات صفحہ ۲۸۹
میں موجود ہے۔ حدیث کا نمبر ۴۹۳۲ ہے۔ اِسی حدیث کو مفتی عبدالحئی

فاروقی فرنگی محلی لکھنوی نے "تنویر الایمان" میں اور شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد
نے کتاب "اُمّہات الاُمّۃ" میں نقل کیا ہے۔

نکتہ ظاہر ہے کہ گڑیا مجسّمہ ہوتی ہے بی بی عائشہ کے گھر میں جو مجسّمے
موجود تھے اُن میں پَردار گھوڑے کا مجسّمہ بھی تھا۔ جب اُس گھوڑے
کے پَروں کے بارے میں پیغمبرؐ نے پوچھا تو بی بی عائشہ نے جواب دیا "کیا آپ
نے سُنا نہیں حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے پَر تھے"۔ حضرت عائشہ کی
اِس تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ پَردار گھوڑے کا وہ مجسّمہ، حضرت
سلیمانؑ کے پَردار گھوڑے[1] کے تصوّر پر بنایا گیا تھا یعنی اسپ سلیمانؑ

[1] پَردار گھوڑا پیدا کرنا اللہ کی قدرت سے بعید نہیں۔ وہ ایسا قادرِ مطلق ہے
کہ ناقۂ صالحؑ کو پتھر میں سے پیدا کر دیا تھا۔ اور معراج کی شب حضورؐ پَردار
بُراق ہی پر سوار ہوئے۔ پَردار گھوڑوں کا ثبوت ص ۲۸ پر دیکھئے۔

کی شبیہ تھا۔ پردار کو عربی میں "ذوالجناح" کہتے ہیں[1]۔ ثابت ہوا کہ "ذوالجناح" کی شبیہ حضرت عائشہ کے گھر میں موجود تھی۔ حضرت رسولؐ خدا نے وہ شبیہ دیکھی اور دیگر مجسمے بھی دیکھے لیکن منع فرمانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ حضرت رسالتمآبؐ بخوبی جانتے تھے کہ بی بی عائشہ اُس گھوڑے کو معبود نہیں سمجھتیں۔ پس جب کہ معصوم رسولؐ نے نہ تو مجسمے رکھنے سے بی بی عائشہ کو منع کیا اور نہ ہی کسی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی اسپ سلیمانؑ کی شبیہ کو ناجائز قرار دیا۔ نہ ہی بی بی عائشہ کو تشبیہ دینے سے منع فرمایا بلکہ تبسم فرما کر رضامندی کا اظہار فرمایا تو حدیث کی قسم "تقریرِ رسولؐ" کے مطابق شریعتِ محمدیہؐ میں بھی شبیہ جائز ثابت ہو گئی لیکن شبیہ کو معبود سمجھنا شرک ہے۔ جب غیر شیعہ کتب کی رُو سے جاندار کی مجسم تصویر

[1] حضرت سلیمانؑ کے پاس پُردار گھوڑوں کا ذکر تفسیر أبی السعود بر حاشیہ تفسیر کبیر فخر الدین رازی الطبعة ۱۳۰۸ ہجریہ مطبعة الخیریة مصر الجزء السابع طبع ۹۳ حاشیہ کی سطر ۲۲-۲۳۔ سورۂ ص کی تفسیر

تک جائز ثابت ہو گئی تو خیال رہے کہ تعزیہ تو صرف عمارت کی شبیہ ہے اور جاندار گھوڑے کو "بُت" سمجھنا درست نہیں۔

نکتہ اسپ امام حسینؑ کی شبیہ کو "ذوالجناح" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ لفظِ "ذوالجناح" سُن کر سلیمانؑ کے پَروں والے گھوڑے کی شبیہ والی حدیث کی جانب توجہ ہو جائے تا کہ جواز کی دلیل ذہن میں تازہ ہو جائے اور یاد آجائے کہ شبیہ ذوالجناح دیکھ کر حضورؐ ناراض نہیں ہوئے تھے۔

سواریٔ حسینؑ کی نقل بنانا

معترضین "بدعت" قرار دینے سے پہلے اِس بات پر غور فرمائیں حضرت رسول خدا نے خود سواریٔ حسینؑ کی نقل بنائی ہے۔ جیسا کہ کشف المحجوب (جو حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش

لاہور کی تصنیف کہلاتی ہے) کے اُردو ترجمہ بیان المطلوب مطبوعہ
فیروز سنز لمیٹڈ باب نمبر ۸ دُوسری فصل ص۱۱۸ و ص۱۱۹ کی عبارت
یُوں ہے :-

"چنانچہ حضرت عُمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے
میں ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں
نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ
کو اپنی پُشتِ مُبارک پر بٹھا کر ایک رسّہ اپنے دہنِ مبارک میں پکڑا ہُوا
ہے اُس کے دونوں سِرے امام حُسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھما
رکھے تھے اور وُہ آنحضرتؐ کو چلا رہے تھے اور خود صلی اللہ علیہ وسلّم
اپنے گُھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ جب میں نے یہ بات دیکھی تو میں
نے کہا نعم الجمل جملك یا ابا عبد الله ترجمہ۔ اے حُسین

آپ کا اُونٹ بہت ہی اچھا ہے۔ یہ سُن کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم نے فرمایا "نعم الراکب هو یا عُمر" اے عُمر! سوار بھی تو بہت
ہی اچھا ہے۔"

نُکتہ

حضرت رسُولِ خُدا نے اپنے دہنِ مبارک میں رسّہ پکڑ کر امام
حُسینؑ کے ہاتھوں میں تھما کر حُسینؑ کو پُشتِ مُبارک پر بٹھا
کر سواریِ حُسینؑ کی نقل ہی بنائی تھی حضورؐ کو (معاذ اللہ) حقیقی معنوں
میں "اُونٹ" سمجھنا کفر یا دیوانگی قرار پائے گا۔ حضرت عمر نے بھی حقیقی
معنوں میں "اُونٹ" نہیں کہا تھا۔ بلکہ بلحاظِ نقل ہی کہا تھا۔ لہٰذا سواریِ
حسینؑ کی نقل (یعنی شبیہ ذوالجناح) بدعت نہیں بلکہ سُنّتِ رسُولؐ ہے۔

رضامندیٔ خدا و رسُول

جب رسُولؐ نے سواریِ حسینؑ کی
نقل بنائی تو حُسینؑ کو راضی کرنا ہی

مقصود پیغمبرؐ تھا اَور سواری کی نقل سے حسینؑ راضی ہُوئے تو حسینؑ کے نانا محمد مصطفےٰ بھی راضی ہُوئے اَور جب رسول راضی ہُوئے تو خدا بھی راضی ہُوا۔ ثابت ہوَا کہ سواریٔ حسینؑ کی نقل سے حسینؑ اَور خُدا و رسُولؐ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ پھر بدعت کہنا کیونکر درست ہوگا؟

نُکتہ

بعض متعصب لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ (معاذ اللہ) سواریٔ امام حسینؑ کی شبیہ دیکھنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اَور ایسا کہتے ہُوئے یہ بھی نہیں سوچتے کہ سواریٔ حسینؑ کی نقل حضرت عمر نے بھی دیکھی تھی اَور رسُولؐ نے حضرت عُمر کو منع نہیں کیا کہ میں نے سواریٔ حسینؑ کی نقل بنا رکھی ہے، تم آنکھیں بند کرلو یا واپس چلے جاؤ پھر کسی وقت آجانا کیونکہ نقل دیکھنے سے نکاح کو خطرہ ہے!

حضرت شرفُ الدّین بُوعلی قلندرؒ کے تین مزار

صُوفیاء کرام

بخوبی واقف ہیں کہ حضرت شرفُ الدین بُوعلی قلندرؒ کے تین مزار پانی پت، کرنال اَور بُڈھا کھیڑا میں موجود ہیں یقیناً اُن میں سے ایک ہی اصل ہے اور باقی دو اُس کی نقل یا شبیہ ہیں کیونکہ جسمِ قلندرؒ ایک تھا۔

شبیہ کو بوسہ دینا

جو فعل شریعت میں صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو وہی فعل اگر غیر اللہ کے لئے کیا جائے تو یقیناً شرک ہوگا۔ جیسے عبادت اللہ کے لئے مخصوص ہے اگر غیر اللہ کی عبادت کی جائے تو شرک ہوگا لیکن بوسہ دینا اللہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اللہ کو بوسہ دینا ممکن ہی نہیں۔ پھر کسی چیز کو بوسہ دینا اُس چیز کی عبادت یعنی شرک کیونکر قرار پائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو بوسہ دینا ذریعۂ اظہارِ عقیدت و محبت ہے نہ کہ اُس چیز کی عبادت۔ والدین اولاد کو بوسہ دے کر اولاد کی عبادت نہیں کرتے بلکہ یہ فعل مبنی بر محبت ہوتا ہے۔ ازدواجی زندگی میں

میاں بیوی ایک دُوسرے کی عبادت نہیں کرتے بلکہ وہاں بھی بوسہ مبنی برمحبت ہی سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی جلد اور کاغذ کو بوسہ دینا جلد اور کاغذ کی عبادت نہیں بلکہ اُس جلد اور کاغذ کی کلامِ الٰہی سے نسبت کی وجہ سے اظہارِ محبت و عقیدت کے لیئے ہی بوسہ دیا جاتا ہے۔ اِسی طرح روضۂ رسُول کی جالیوں کو چُومنا نہ تو جالیوں کی عبادت ہے اور نہ ہی رسولؐ کی بلکہ مزارِ رسُولؐ سے نسبت ہونے کی وجہ سے عقیدت مندوں کو وُہ جالیاں محبوب ہیں اور اظہارِ محبت و عقیدت کے لیئے جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ اِسی طرح بزرگانِ دین کے مزارات کو بوسہ دیا جاتا ہے۔ تعزیہ روضۂ حسینؑ کی شبیہ اور "ذوالجناح" سواریٔ حسینؑ کی شبیہ ہونے کی وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور اظہارِ محبت کے لیئے بوسہ دیا جاتا ہے۔ شبیہ کو معبود نہیں سمجھا جاتا لہٰذا

شبیہ کو بوسہ دینا ہرگز عبادتِ شبیہ نہیں۔ اور نہ ہی اس فعل کو شرک کہنا درست ہے۔

شبیہ پر پھُول ڈالنا

پھُول یا پھُولوں کے ہار ڈالنا بھی اللہ کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ کو (معاذ اللہ) ہار پہنانا یا اُس پر پھُول ڈالنا ممکن ہی نہیں ہے۔ پھر کسی چیز پر پھُول ڈالنا "شرک" کیونکر ثابت ہوگا؟ مہمانوں پر پھُول برسانا، ہار ڈال دینا مزاروں پر پھُولوں کی چادریں چڑھانا شرک نہیں۔ تو شبیہ پر پھُول ڈالنا بھی شرک نہیں۔

اپنے سر پر خاک ڈالنا

ترمذی (اُردو) مطبوعہ نورِ محمد اصح المطابع کراچی جلد دوم صفحہ ۳۸۵ حدیث ۱۶۲۵ کی عبارت یوں ہے:-

"حضرت سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ میں حضرت اُمِّ سلمہؓ کے پاس آئی وُہ رو
رہی تھیں میں نے پُوچھا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ حضرت اُمِّ سلمہؓ
نے فرمایا میں نے رسُولؐ اللہ کو (خواب میں) دیکھا کہ آپؐ کے سر اور
داڑھی پر گرد و غبار ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسُول اللہؐ! کیا بات ہے
یہ گرد و غبار کیسا؟ آپ نے فرمایا۔ ابھی ابھی حسینؓ کی شہادت میں
حاضر اور شریک ہوا ہوں۔ (یہ حدیث غریب ہے)"

نوٹ:۔ حدیث غریب اُسے کہتے ہیں جو ایک ہی راوی سے
مروی ہو۔ چونکہ یہ خواب حضرت اُمِّ سلمہؓ ہی کا تھا۔ لہٰذا دُوسرا راوی
ممکن ہی نہیں تھا۔ اور حدیثِ غریب قابلِ قبول ہوتی ہے اِسی لئے
ترمذی نے نقل کی ہے۔ اِس کی راوی حضرت اُمِّ سلمہؓ اُمّ المومنین
ہیں جو حضورؐ کی صورت مبارک سے بخُوبی واقف تھیں اُنہوں نے

روزِ عاشورہ عین شہادتِ حسینؑ کے دن حضورؐ کے سرِ مبارک اور
ریشِ مقدس پر گرد و غبار دیکھا۔ لہٰذا شہادتِ حسینؑ کے روز سر کو
(خاک ڈال کر) غبار آلودہ کرنا حضورؐ کی متابعت اور سُنت ہے۔

کالے کپڑے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ چادر اور سیاہ عمامہ پہنتے
تھے[1] دیکھئے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ مصنفہ علامہ اشرف علی
تھانوی صاحب مطبُوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ ص ۱۸۱ سطر ۱۱-۱۲ ص ۱۸۳ سطر ۱۶

سلسلہ چشتیہ کے مشہور صُوفی بزرگ بابا فرید یعنی
محمد مسعود الدین گنج شکر پاک پٹن والے خود کالے کپڑے پہنتے تھے

جیساکہ "اِرشاداتِ فریدی معروف بہ شلوک فریدی" شائع کردہ ملک چنن الدین کشمیری بازار لاہور، بارِ چہارم صہ ۵۹ شلوک نمبر ۶۸ میں بابا فرید صاحبؒ خود فرماتے ہیں :-

" فریدا کالے مینڈے کپڑے کالا مینڈا ویس "

خیال رہے کہ حضرت علی احمد صابر صاحبؒ (کلیر شریف والے) بابا فریدؒ ہی کے بھانجے ہیں۔ حضرت نظام الدینؒ اَولیاء" (دہلی والے) کو صوفی حضرات بابا فریدؒ ہی کے مُرید بیان کرتے ہیں۔ اَور بابا فرید صاحبؒ کو خواجہ بختیار کاکیؒ (چشتی) کا مُرید کہتے ہیں۔ لہٰذا کالے کپڑوں پر اعتراض کرنا حضرت بابا فرید صاحبؒ ہی پر نہیں بلکہ چشتی، فریدی، نظامی، صابری سِلسلوں پر حملہ تصوّر ہوگا۔

علاوہ ازیں کالے کپڑے پر اعتراض کرنے والوں کو یہ سوچنا چاہیئے

کہ حضرت محمدؐ مصطفےٰ رسُولِ خدا بھی کالا کپڑا اِستعمال فرماتے تھے کالی کملی کا لحاظ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اَور بیت اللہ شریف کا غلاف بھی سیاہ ہے۔ اُسی طرف سجدہ کیا جاتا ہے۔ حجرِ اسود بھی کالا ہے۔ علاوہ ازیں خود اعتراض کرنے والے مولوی حضرات کالی شیروانیاں پہنتے ہیں۔ اَور اکثر مولویوں کی بیویاں کالے بُرقعے پہنتی ہیں۔ وُکلاء حضرات کالے کوٹ اَور جج صاحبان کالے "گون" پہنتے ہیں۔ فریدی سلسلہ کے اکثر صوفی اَب بھی کالے کپڑے پہنتے ہیں۔ اب معترضین خود غور فرمائیں کہ کالے کپڑوں پر اعتراض کرنے سے کون کون ہستیاں نشانۂ اعتراض بنتی ہیں۔

بر سرِ عام مُخدّرات کے نام لینا

مذہبِ اِمامیہ کے پیروکاروں پر عام طور سے یہ اعتراض بھی
کِیا جاتا ہے کہ "لائق اِحترام بیبیوں کے نام بر سرِ عام نوحوں میں
کیوں پڑھے جاتے ہیں"؟ اِس اِعتراض کے سِلسلہ میں یہ بات قابلِ
غور ہے کہ "تراویح" میں جب لاؤڈ اسپیکروں پر قرآن پاک پڑھا جاتا
ہے تو بی بی مریمؑ کا نام بھی آتا ہے۔ اَور لاؤڈ سپیکر کی بلند آواز کو
غیر مُسلم بھی سُنتے ہیں۔ اَور جلوس عید میلادُ النبیؐ میں نعتیں پڑھتے
ہوئے رسُولؐ کی والدہ حضرت آمنہؑ کا نام لیا جاتا ہے۔ مثلاً "اَے
آمنہؑ کے لال تم پہ لاکھوں سلام"۔ علاوہ ازیں عام جلسوں میں
حضرت اِسمٰعیلؑ کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے خود غیر شیعہ علماء حضرت

ہاجرہؑ کا نام لیتے ہیں۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ جناب ہاجرہؑ
ایک نبیؑ کی زوجہ اَور ایک نبیؑ کی والدہ تھیں۔ عام جلسوں میں
تفسیر سُورۂ یُوسفؑ بیان کرتے ہُوئے حضرت زُلیخا زوجۂ یُوسفؑ
کا نام لیا جاتا ہے۔ اَور عام جلسوں میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ
کا نام لیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اہلسنت والجماعت کے اِمامِ اعظم
"نعمان بن ثابت" کو عام جلسوں میں "اَبُوحنیفہ" یعنی حنیفہ کا باپ کہا
جاتا ہے۔ اُس وقت "امامِ اعظم" کی صاحبزادی کا نام آتا ہے اَور
خود صوفی حضرات حضرت رابعہ بصری کا نام بھی عام جلسوں میں
بیان کرتے ہیں! اَور عام اِجتماعات میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا
ذکر بھی کِیا جاتا ہے۔ لہٰذا اعتراض درست نہیں۔

مسئلہ تقیہ

تقیہ جائز ہے لیکن جب جہاد کا موقع ہو یا اسلام کے تحفظ و بقا کے لئے جان و مال کی قربانی کی ضرورت ہو وہاں تقیہ نہیں ہے بلکہ ایسے موقع پر خوشنودیٔ خدا و رسولؐ حاصل کرنے کو اور اسلام کے تحفظ و بقا کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں تقیہ نہیں کیا کیونکہ ایک طرف تو جانوں اور مالوں کی قربانی کا سوال تھا۔ دوسری طرف دین کے نقصانِ عظیم کا خوف، پس سرکارِ سید الشہداؑ نے اپنے فرزندوں بھتیجوں، بھانجوں، بھائیوں اور اصحابِ باوفا کی جانوں کو اسلام کے لئے اللہ کی راہ میں قربان کر کے، تین روز بھوکے پیاسے رہ کر

سجدہ کی حالت میں اپنے گلوئے مبارک پر خنجرِ ستم چلوا لینا منظور کیا۔ لہذا قربانی کا موقع ہو تو تقیہ نہیں ہوتا۔

تقیہ کب جائز ہے

جب جہاد کا موقع نہ ہو اور اسلام کے لئے مال و جان کی قربانی درکار نہ ہو بلکہ جان و مال دینے سے اسلام کی افرادی و مالی قوت کو نقصان پہنچتا ہو وہاں تقیہ محض جائز نہیں بلکہ ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی جانوں اور ان کے مالوں کو بے موقع اور بے مقصد ضائع کروانا ہرگز مقصودِ اسلام نہیں ہے بلکہ مسلمان کی جان اور اس کا مال اسلام ہی کا سرمایہ ہے یہی وجہ ہے کہ اضطراری کیفیت میں جان بچانے کے لئے سؤر تک کھا لینے کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح جان و مال و آبرو کے تحفظ کے لئے، نرغۂ کفار میں گھرا ہوا مسلمان بحالتِ مجبوری

اپنے دین کو چھپا سکتا ہے۔ اور دشمنانِ ایمان کے ظلم سے محفوظ رہنے کے لئے مومن اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھ سکتا ہے۔ اسی کو "تقیہ" کہتے ہیں۔

فرقِ تقیہ و منافقت

خیال رہے کہ تقیہ منافقت نہیں بلکہ منافقت کے بالکل برعکس ہے کیونکہ منافقت اُسے کہتے ہیں کہ دل میں ایمان نہ ہو، لیکن ظاہر کرے اور تقیہ اُسے کہتے ہیں کہ دل میں ایمان ہو لیکن ظاہر نہ کرے۔

تقیہ منافیِ ایمان نہیں

ظالموں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے اپنے ایمان کو چھپانے سے ایمان زائل نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت حزقیلؑ کو اللہ نے خود "مومن" فرمایا حالانکہ وُہ فرعون کے ظلم سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے ایمان کو چھپاتے رہے جیسا کہ سورۃ "المومن" میں اللہ خود فرماتا ہے "وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ" الخ

ترجمہ علامہ اشرف علی تھانوی:۔ "ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے (اور اب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا"

نوٹ:۔ ثابت ہوا کہ ظالموں کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپانے والا مومن، ہرگز "منافق" نہیں بن جاتا۔ اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمہ مندرجہ بالا سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آل کا معنیٰ "پیروکار" نہیں بلکہ "خاندان" ہے۔

مجبوراً کفر کرنا بھی جائز ہے

قرآن مجید پارہ نمبر ۱۴، رکوع نمبر ۲۰ سورۃ النحل میں اللہ جلّ جلالہٗ فرماتا ہے:۔ "مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ

اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ
وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ
مِّنَ اللّٰہِ ج وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝

ترجمہ: جس نے اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کیا سوائے
اُس شخص کے کہ جو مجبور ہو اور اُس کا دِل ایمان سے مطمئن ہو۔ ہاں
لیکن جس نے کفر سے سینہ کو کھول دیا (یعنی دل میں بھی کفر آگیا) تو
اُن پر اللہ کی جانب سے غضب ہے اور ان کے لئے عذاب
عظیم ہے۔"

سورۂ نحل کی اِس آیۂ مقدس میں ایمان کے بعد کفر کرنے والوں
کو مغضوب علیہم اور مستوجب عذابِ عظیم قرار دیا ہے لیکن اللہ نے
اُن مومنوں کو خود ہی مستثنےٰ فرما دیا ہے جن کے دِلوں میں ایمان و
اطمینان ہو اور مجبوراً کفر کریں یعنی مجبوراً کفر کرنے سے ایمان زائل نہ ہوگا
اور گنہگار بھی نہ ٹھہریں گے۔ تو تقیہ جائز ہوا۔ اِسی طرح حضرت
عمار بن یاسرؓ (صحابیٔ رسولؐ) نے تقیہ کیا تھا۔ تفصیل کیلئے معترضین
اپنی ہی حسب ذیل کتب ملاحظہ فرمالیں :۔

۱۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۴۲۹، ص ۵۲۴ اور جلد ۵
ص ۳۵۵ و ص ۳۵۶ (۲) تفسیر درمنثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۰۷
اور جلد ۲ ص ۱۶۴ (۳) تفسیر بیضاوی مطبوعہ نولکشور ص ۴۵۳ (۴) تفسیر
نیشاپوری مطبوعہ مصر (برحاشیہ ابن جریر) جلد ۳ ص ۱۷۰ (۵) تفسیر ابن
جریر مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۱۴۰ (۶) تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۶
(۷) تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان مطبعۃ الکبری المیریہ بولاق مصر
الجزء الثانی ص ۲۱۸ (۸) مواہب لدنیہ قسطلانی مطبوعہ مصر ص ۲۴۷،

(۹) اُردو ترجمہ سُننِ ابنِ ماجہ مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ۲ صـ ۳۵۶ (۱۰) روضۃ الاحباب جمال الدین محدّث مطبوعہ انوارِ محمّدی لکھنؤ جلد ۱ صـ ۸۹ ، صـ ۹۶ (۱۱) تفہیم القرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جلد ۲ صـ ۵۷۵ حاشیہ ۱۰۹

مُسلمان جاسُوس اَور تقیہ

محکمہ جاسُوسی کے لئے تقیہ ضروری ہے کیونکہ مُسلمان جاسوس کو اپنے فرائض پُورا کرنے کے لئے دشمنانِ دین سے اپنا دین ، اپنا وطن اَور اپنا مقصد ضرور چھپانا پڑتا ہے ۔ لہٰذا تقیہ کی ضرورت اَور اُس کے جواز کا اِنکار درست نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ گروہِ صُوفیاً کے پیشوا مشہور تابعی حسن بصری نے کہا "التقیۃ الی یوم القیٰمۃ" یعنی "تقیہ قیامت تک ہے"۔ دیکھئے صحیح بخاری (عربی) مطبوعہ مسر کتاب الاکراہ جلد چہارم صـ ۱۲۳ اَور تفسیر ابن کثیر دمشقی برحاشیہ

فتح البیان مطبعۃ الکبری المیریہ بولاق مصر الجزء الثانی صـ ۲۱۸ سطر ۳ ۔

علاوہ ازیں معتزلیین کے علماء کو بھی مامون رشید کے زمانہ میں "خلقِ قرآن" کے مسئلہ پر "تقیہ" کی ضرورت پڑی اَور "تقیہ" کرنا پڑا دیکھئے تاریخ الخلفاء سیوطی اُردو ترجمہ مطبوعہ صدیقی مطبع زمیندار لاہور صـ ۱۶۷

حنفی مُفتیوں کا فتویٰ

فتاویٰ ہندیہ اُردو ترجمہ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ نولکشور جلد چہارم صـ ۲۲۱ سطر ۳ ۔ میں ہے کہ "جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن لڑائی وجہاد میں روا ہے تاکہ کافر کو دھوکا دیوے اَور دو شخصوں میں صلح کرانے میں روا ہے ۔ اَور اپنی جورو کو راضی کرنے میں روا ہے اَور ظلمِ ظالم دفع کرنے میں روا ہے ۔ اور جھوٹ کے ساتھ تعریض مکروہ ہے اِلّا بضرورت"۔

نوٹ : ۔ اورنگ زیب بادشاہ نے "فتاویٰ عالمگیری" مُفتیان

اہل سنت والجماعت سے لکھوائی تھی جیسا کہ بریلوی اہل سُنت والجماعت کے پیشوا علاّمہ احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی کتاب "حیات الموات" شائع کردہ نُوری کتب خانہ بازار داتا صاحبؒ لاہور کے صفحہ ۸۵ پر تحریر فرمایا ہے:-

"مولنا شیخ جلیل نظام الدین وغیرہ جامعانِ فتاوی عالمگیری حنفیان" مزید دیکھئے "اورنگ زیب عالمگیر غازی" مصنفہ شبلی نعمانی مطبوعہ تاج بک ڈپو اُردو بازار لاہور صـ۱۴۱

نکتہ | جب حنفی مُفتیوں کے فتویٰ کی رُو سے ظلمِ ظالم دفع کرنے کے لیئے جھوٹ تک روا ہوا اور بقدرِ ضرورت تعریض بھی مکروہ نہ رہی تو تقیہ کیونکر ناجائز ہوگا؟ مزید دیکھئے تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خان بدایونی گجرات جلد دوم صـ۱۹۸ سطر ۴

حضرت یُوسفؑ اور تقیہ | کسی کی ایذا رسانیوں سے محفوظ

رہنے کے لیئے کسی حق بات یا واقعہ کو چُھپانا اگر ناجائز ہوتا تو حضرت یعقوبؑ اپنے فرزندِ عالی مقام حضرت یُوسفؑ کو یہ ہدایت نہ فرماتے کہ "بیٹا اپنے اِس خواب کو اپنے بھائیوں کے رُوبرو مت بیان کرنا بس (یہ سمجھ کر) وُہ تمہارے (ایذا رسانی) کے لیئے کوئی خاص تدبیر کریں گے" (دیکھئے ترجمہ قرآن مجید از علاّمہ اشرف علی تھانوی سُورۂ یُوسفؑ پارہ ۱۲ رکوع ۱)

علاوہ ازیں سُورۂ یُوسفؑ ہی میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ "حضرت یُوسفؑ نے پانی پینے کا برتن اپنے بھائی بنیامینؑ کے سامان میں خود رکھ دیا۔ اَور اِس حقیقت کو چھپائے رکھا۔ دُوسرے بھائیوں نے جب یہ کہا کہ بنیامینؑ کا ایک بھائی (یعنی یُوسفؑ) چوری کر چکا ہے (معاذ اللہ) تو حضرت یُوسفؑ نے اُس وقت بھی حقیقت کو پوشیدہ رکھا جیسا کہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں" فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ

یعنی پس یوسفؑ نے اِس بات کو اپنے دِل میں پوشیدہ رکھا اور اُس
کو اُن پر ظاہر نہ کیا۔

نوٹ :۔ حضرت یوسفؑ نے خود وہ برتن بنیامینؑ کے سامان میں
رکھنے کے بعد حقیقت کو محض اس لئے چھپایا کہ اپنے بھائی بنیامینؑ
کو اپنے پاس رکھ لینا چاہتے تھے۔ اور یہ کوئی ناجائز مقصد نہیں تھا۔
لہٰذا ثابت ہوا کہ جائز مقصد کے لئے کسی حقیقت کو چھپا لینا جائز ہے
اِسی کا نام تقیہ ہے۔

شبِ ہجرت کا واقعہ

حقیقت تو یہ تھی کہ رسولِ خدا غارِ ثور
کے اندر موجود تھے لیکن اللہ سبحانہٗ و
تعالیٰ نے غارِ ثور کے دروازہ پر مکڑی سے جالا بنوا دیا تاکہ کفار سے
حقیقت پوشیدہ رہے یعنی جو کفار ظلم کرنے کی نیت سے رسولؐ کو تلاش

کر رہے تھے وہ جالا دیکھ کر حقیقت کے خلاف یہی سمجھیں کہ غار کے
اندر کوئی داخل ہی نہیں ہوا۔ مقصدِ قدرت یہ تھا کہ حقیقت کو چھپا
کر حضرت رسولؐ کو ظلمِ کفار سے بچا لیا جائے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ظلم
کو دفع کرنے کے لئے حقیقت کو چھپا لینا جائز ہے۔

تقیہ ابراہیمؑ

حضرت خلیلِ ربِ جلیلؑ نے ظالم بادشاہ کے ظلم
سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی زوجہ حضرت سارہ
کے متعلق فرمایا "ھِیَ اُخْتِیْ" یعنی یہ میری بہن ہے اور اِس حقیقت
کو چھپا لیا کہ وہ آپؑ کی زوجہ تھیں۔ ثبوت کے لئے دیکھئے:۔

۱۔ تاریخ الامم والملوک ابنِ جریر طبری مطبوعہ مطبعۃ الحسینیہ مصر
جلد اوّل ص۱۳۵ سطر ۲۰ تا ۲۲، ص۱۳۶ سطر ۱۵ اور سطر ۲۱۔

۲۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ تیغ بہادر ایمن آباد جلد اوّل ص۱۴ سطر

۱۷ تا ۱۹

لیکن تقیہ کو "جھوٹ" سمجھنے والوں نے تقیہ ابراہیمؑ کو بھی معاذاللہ "جھوٹ" قرار دے دیا دیکھیے جمع الفوائد من جامع الاصول مطبوعہ میرٹھ جلد ثانی ص۳۰۳۔

مِلّتِ ابراہیمؑ

خیال رہے کہ قرآن مجید پارہ ۱ سورۃ البقرہ رکوع ۱۵ میں اللہ نے فرمایا ہے :۔ "اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا ؟ مگر جو بیوقوف ہو اپنے جی سے۔" (دیکھیے ترجمۂ قرآن مجید، شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

مسئلۂ مُتعہ

سرکارِ دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے متعہ

کو اللہ کے حکم سے حلال قرار دیا تھا کسی اُمّتی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتا جبکہ دین عہدِ رسالتؐ میں مکمل ہو چکا اور وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد کوئی اُمّتی شخص دین میں ترمیم یا اضافہ کرنے کا حق نہیں رکھتا اور کوئی بھی اُمّتی حکمِ رسولؐ کو منسوخ کرنے کا مجاز نہیں۔ خواہ وُہ حضرت علیؑ ہی کیوں نہ ہوں ؟ حقیقت یہ ہے کہ مُتعہ کو رسولِ خدا نے تو کبھی حرام نہیں کیا بلکہ عہدِ رسالتؐ کے بعد جب کہ وفاتِ رسولؐ کو کافی عرصہ گزر چکا تھا ایک اُمّتی شخص نے کہہ دیا کہ "مَیں مُتعہ کو حرام کرتا ہوں" (معاذاللہ) ثبوت کے لیے اور اُس اُمّتی کا نام معلوم کرنے کے لیے حسب ذیل کتب ملاحظہ فرمائیے :۔

(۱) صحیح مسلم مترجم (از علامہ اہل حدیث وحید الزماں) مطبوعہ صدیقی لاہور ۱ ص۴۲۵

(۲) "ازالۃ الخفا" از ولی اللہ محدّث دہلوی (اُردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی

کراچی مقصد دوم ص۱۹۵ (۳) زاد المعاد حافظ حدیث ابن قیم مطبوعہ مطبعۃ المیمنیہ مصر جلد اوّل ص۲۱۵ (۴) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر الجز السادس ص۴۰۴ (۵) تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر سورۃ نساء ص۴۷ (۶) تاریخ الخلفاء مصنفہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابوبکر سیوطی شافعی (اردو ترجمہ) مطبوعہ صدیقی لاہور ص۷۳-۷۴

نوٹ :۔ تفسیر مظہری میں ایک نہایت مشہور شخص کی لڑکی کے متعہ کا ذکر موجود ہے۔ اور کشف المغطا (شرح مؤطا امام مالک) مطبوعہ صدیقی لاہور کے ص۳۳۹ پر اہل حدیث کے مشہور عالم وحید الزماں حیدرآبادی نے اسی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ متعہ کو جائز سمجھتی تھی اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ مشہور صحابیٔ رسولؐ حضرت عبد اللہ بن

عباسؓ بھی متعہ کو جائز سمجھتے تھے اور کشف المغطا شرح موطا میں اسی جگہ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ متعہ کرنے پر کوئی حد شرعی نہیں یعنی شریعت نے متعہ پر سزا نہیں رکھی۔ پھر متعہ کو زنا کیونکر کہا جا سکتا ہے؟

قرآن میں ذکرِ متعہ

اگر متعہ بھی زنا ہوتا تو حدِ شرعی ضرور لازم آتی۔ اور خود رسولؐ خدا کسی بھی وقت متعہ کو ہرگز جائز نہ قرار دیتے حقیقت یہ ہے کہ متعہ کی آیت قرآنِ مجید میں موجود ہے دیکھئے پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۴ میں قرآنِ مجید کے مقدس الفاظ یوں ہیں:۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً۔ اسی آیت کی تفسیر میں امام اہلِ سنت والجماعت جلال الدین سیوطی شافعی یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اخرج عبد الرزاق وابو داؤد فی ناسخہ وابن جریر

عن الحکم انہ سئل عن ھذہ الآیۃ امنسوخۃ قال لا۔"

یعنی عبدالرزاق نے اور ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں اور ابن جریر نے حکم سے روایت نقل کی ہے کہ حکم سے پوچھا گیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں"۔ (تفسیر درمنثور سیوطی مطبوعہ مصر)

ضروری نوٹ:۔ پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۴ کی آیت مندرجہ بالا متعہ ہی کے متعلق ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اس آیۃ کی تفسیر میں حضرت علیؑ کا ارشادِ مبارک یوں لکھا ہے:۔

فرمانِ مرتضویؑ "وقال علی لولا ان ...[2]... نھی عن المتعۃ ما زنی الا شقی"۔

[1] تفسیر درمنثور تفسیر جلالین میں بھی ہے۔

[2] یہاں ایک اُمتی شخص کا نام ہے تفسیر درمنثور دیکھئے۔

ترجمہ:۔ اور (حضرت) علیؑ نے فرمایا "اگر ...... نے متعہ سے منع نہ کیا ہوتا تو سوائے شقی کے کوئی زنا نہ کرتا[1]" یعنی اگر وہ اُمتی متعہ سے نہ روکتا تو لوگ زنا سے بچے رہتے اور کوئی بدبخت ہی ہوتا جو زنا کرتا یعنی حضرت علیؑ کے نزدیک متعہ زنا سے بچانے والی چیز ہے اور متعہ سے منع کرنا درست نہیں تھا۔

ارشاد حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ رسولِ خدا کے مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے فرمایا ہے کہ "ہم نے عہدِ رسولؐ میں متعہ کیا۔ اور اُس کے بعد عہدِ حضرت ...[1]... میں بھی کیا۔ پھر حضرت ...[2]... نے منع کر دیا اور ہم نے متعہ کرنا چھوڑ دیا" (دیکھئے مسندِ احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۳۲۵ سطر ۱-۲، ص ۳۵۶ سطر ۷-۸)

[1] اسی طرح قولِ ابنِ عباس مرقوم ہے (حاشیہ ۱ ب دا صفحہ ۵۹ پر دیکھئے)

صـ ۳۶۳ سطر ۲۴ تا ۲۶ اور صـ ۳۸۰ سطر ۲۸ تا ۳۰)

صحابی عمران بن حصین کا بیان

رسولِ خدا کے صحابی عمران بن حصین نے بیان کیا کہ رسولؐ نے متعہ سے ہرگز منع نہیں فرمایا اور مُتعہ کی ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔" (دیکھئے مسندِ احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الرابع صـ ۴۳۸ سطر ۱۲ تا ۱۴ اور صـ ۴۳۹ سطر ۱۲-۱۳)

نوٹ: ثابت ہوا کہ غیر شیعہ کی جن روایات میں خیبر وغیرہ میں حُرمتِ مُتعہ کا ذکر کیا گیا ہے وُہ صحیح نہیں ہیں بلکہ مُتعہ سے منع کرنے والے اُس اُمّتی کو مخالفتِ قرآن و سُنّت کے الزام سے بچانے کے لئے وضع کی گئی ہیں کیونکہ مُتعہ کا جائز ہونا قرآن و حدیث اور ارشاداتِ

بقیہ حاشیہ صـ ۵۹ [illegible] یہاں دو اُمّتی آدمیوں کے نام ہیں مسندِ احمد حنبل میں دیکھئے

حضرت علیؑ و عبداللہ بن عباسؓ اور اقوالِ جابرؓ و عمران بن حصین سے ازروئے کُتبِ اہلِ سنۃ والجماعۃ ثابت ہے

نکاحِ دائمی اَور مُتعہ

مرد اَور عورت کے جنسی تعلقات پر اسلام نے نکاح کی جو پابندی لگائی ہے۔ اُس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بلا کسی پابندی کے جنسی تعلقات قائم کرنے (یعنی زنا کی صورت میں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اولاد کس کی ہے؟ اِس طرح ایک طرف تو قانونِ وراثت ختم ہو جاتا ہے اَور دُوسری طرف کوئی شخص ایسی اولاد کو اپنی اولاد یقین نہیں کر سکتا اِس طرح وُہ بچے باپ کی شفقت اَور جائداد سے محروم رہتے ہیں۔ نکاح کی پابندیوں سے قانونِ وراثت بھی محفوظ رہتا ہے، شناختِ نسل بھی ہو جاتی ہے یہ پابندیاں متعہ میں بھی موجود ہیں یعنی اولاد وارث ہوتی ہے۔ عدّت

ضروری ہے، مدّتِ مُتعہ اور عدّت میں عورت کو اجازت نہیں کہ وُہ دُوسرے مرد سے جنسی تعلقات قائم کرسکے۔

لہٰذا مُتعہ کو ناجائز کہنا یا "زنا" قرار دینا درست نہیں ہے۔

وضُو میں پاؤں کا مسح

جرِ جوار کی تردید

جو لوگ وضو میں دونوں پاؤں کے مسح کے خلاف اور پاؤں دھونے کے قائل ہیں وُہ قرآن مجید سورۃ المائدہ کی آیتِ وضو پر گرامر کی بحث کرتے ہوئے یہ عُذر کرتے ہیں کہ آیتِ وضو میں بِرُؤُسِکُمْ میں سین کے نیچے زیر کیوجہ سے جرِ جوار کی ہے جیسا کہ صاحبِ تفسیر حسینی نے لکھا ہے کہ جرِ جوار کی ہے لیکن

امامِ اہل سنۃ والجماعۃ فخر الدین رازی نے اِس عُذر کو باطل قرار دیا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۳۶۸ میں امام رازی لکھتے ہیں:-

"قلنا هذا باطل من وجوه" یعنی ہم کہتے ہیں یہ کئی وجوہ سے باطل ہے" (پھر امام رازی نے وجوہ بیان کرتے ہوئے ایک وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ بِرُؤُسِکُمْ کی کسر باء کی وجہ سے ہے) پھر اسی صفحہ ۳۶۸ پر یُوں لکھا ہے:-

"ان الكسر بالجوار انما يكون بدون حرف العطف وأما مع حرف العطف فلم تتكلم به العرب وأما القرأة بالنصب فقالوا انها أيضا توجب المسح"

یعنی جوار کی جر بلا شُبہ، حرفِ عطف چھوڑ کر ہوتی ہے اور حرفِ عطف کے ساتھ قوم عرب کے کلام میں ہرگز نہیں آتی۔ اور

رہی قرأت بالنصب[1] تو کہتے ہیں[2] یہ بھی مسح ہی واجب کرتی ہے۔

نوٹ :۔ مزید اطمینان کے لئے تفسیر خازن (لباب التاویل) مطبوعہ مطبعۃ المکتبۃ التجارتیہ الکبریٰ مصر الجزء الثانی ص۱۶ بھی دیکھئے)

مذہب شیخ محی الدین ابن عربی

فتوحات مکیہ مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۴۴۸

[1] یعنی قرآن مجید سورۃ المائدہ کی آیت وضو یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ“ میں لفظ اَرْجُلَکُمْ کے لام پر زبر پڑھنا۔

[2] یعنی علماء اہل سنۃ والجماعۃ کہتے ہیں جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کا قول پیش کیا گیا۔

سطر ۲ میں ابن عربی خود لکھتے ہیں :۔ فمذھبنا ان النصب فی الکلام لایخرجہ عن الممسوح فان ھذہ الواؤ قد تکون واؤ مع ردا والمعیۃ تنصب تقول قام زید وعمرا“

یعنی پس ہمارا مذہب ہے کہ (اَرْجُلَکُمْ) کے لام پر زبر اُس کو حکم مسح سے خارج نہیں کرتی پس تحقیق یہ واؤ معیّت کا قرار پائے گا اور معیّت کا واؤ نصب دیتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں ”قام زید وعمرا“ یعنی کھڑا ہوا زید ساتھ عمر کے یعنی اسی طرح اَرْجُلَکُمْ بِرُؤُسِکُمْ کے ساتھ حکم مسح میں آیا ہے)

امام اہل سنۃ والجماعۃ فخر الدین رازی اور امام اہل سنۃ شیخ محی الدین ابن عربی کی تحریر کردہ عربی گرامر کی بحث کے بعد اس امر کی ہرگز گنجائش نہیں رہتی کہ قرآن کی آیت وضو میں پاؤں دھونے کا

حکم نکل سکے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید میں، پاؤں کا مسح کرنے کا ہی حکم ہے دھونے کا نہیں۔

اِمام حسنؑ اور حسینؑ اَرْجُلِکُمْ پڑھتے تھے وہ محمدؐ مصطفیٰ کے محبوب نواسے

جنہوں نے اپنے نانا رسولؐ سے قرآن سُنا اور پڑھا۔ رسولؐ ہی سے وضو سیکھا۔ وہ قرآن کی آیتِ وضو میں "اَرْجُلِکُمْ" پڑھتے تھے یعنی حسنینؑ کی قرأت میں لام پر زبر نہیں بلکہ زیر ہے دیکھئے تفسیر "جامع البیان" علامۂ اہل سنت والجماعت ابن جریر مطبوعہ دار المعارف الجزء العاشر ص۵۵ سطر ۲،۱

قرأتِ صحابیٔ رسولؐ انس" بھی اَرْجُلِکُمْ ہے دیکھئے تفسیر جامع البیان

ابن جریر مطبوعہ دار المعارف مصر الجزء العاشر ص۵۹ سطر ۱۔۳

(نوٹ: بتفسیر جامع البیان الجزء العاشر ص۶۰-۶۱ میں دیگر حضرات کا بھی اس قرأت کو تسلیم کرنا مرقوم ہے) یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کے اعراب لگاتے وقت "ارجلکم" کے لام پہ زبر حجاج بن یوسف نے لگائی ہے۔

مشہور صحابیٔ رسولؐ انس بن مالک اور دیگر حضرات کے علاوہ اہل بیت طاہرینؑ میں سے حسنینؑ کی قرأۃ "اَرْجُلِکُمْ" ثابت ہونے کے بعد اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ اللہ نے قرآن کی آیۂ وضو میں پاؤں کا مسح ہی واجب کیا ہے۔ دھونا نہیں۔

وجوبِ مسح کا مزید ثبوت تفسیر "فتح البیان" علامۂ اہلحدیث نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی،

مطبوعہ صدیقی بھوپال الجزء الاول تفسیر سورۃ المائدہ ص۲۹۳ سطر ۹ تا

۲۲ کی عبارت یُوں ہے :-

"قال القرطبي قد روی عن ابن عباس انه قال الوضوء غسلتان و مسحتان قال وکان عکرمة یمسح رجلیه وقال لیس فی الرجلین غسل انما نزل فیهما المسح وقال عامر الشعبي نزل جبریل بالمسح قال وقال قتادہ افترض الله غسلتین و مسحتین"۔

یعنی قرطبی نے کہا حضرت ابن عباسؓ (صحابیِ رسولؐ) سے روایت کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا "وضو ۲ دو دھونے اور ۲ دو مسح ہے۔ اور عکرمہ اپنے دونوں پاؤں کا مسح کرتے تھے اور انہوں نے کہا کہ پاؤں کو دھونے کا حکم نہیں محض اُن کے مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ اور عامر الشعبی نے کہا حضرت جبریلؑ مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے

اور قتادہ نے کہا اللہ نے ۲ دو دھونے اور ۲ دو مسح فرض کئے ہیں"۔

(نوٹ :- اسی سلسلہ میں علامہ صدیق حسن بھوپالی کی اُردو تفسیر ترجمان القرآن مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ۳ ص ۸۴۲ سطر ۲ تا ۱۹۔ اور تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری مطبوعہ دار المعارف مصر الجزء العاشر ص ۵۸ و ص ۵۹ اور ص ۶۰ بھی ملاحظہ فرمائیے)

"۲- تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۶۸ سطر ۱۷ اور ۱۸ میں تفسیر قفال سے منقول ہے کہ ابن عباسؓ و انس بن مالک و عکرمہ و شعبی اور حضرت (امام) ابوجعفر محمد بن علی الباقرؑ کے نزدیک دونوں پاؤں کا مسح ہی واجب ہے۔

حضرت رسولِ خداؐ نے پاؤں کے مسح کا حکم دیا | عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری علامہ

عینی حنفی مطبوعہ دارالطباعۃ العامرہ مصر جلد اول ص۶۵۶ سطر ۲۸ تا ۳۱ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”منہا حدیث رفاعہ ابن رافع عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال لا یتم صلاۃ احد حتی یسبغ الوضوء کما امرہ اللہ تعالیٰ فیغسل وجہہ ویدیہ الی المرفقین ویمسح برأسہ ورجلیہ الی الکعبین حسنہ ابو علی الطوسی الحافظ وابو عیسی الترمذی وابوبکر البزار وصححہ الحافظ ابن حبان وابن حزم“۔

یعنی اس (وجوبِ مسح کی حدیثوں) میں سے حدیثِ رفاعہ ابن رافع، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کسی کی نماز تمام نہیں ہوگی جب تک وہ اللہ کے حکم کے مطابق وضو

نہ کرے پس دھوئے اپنے مُنہ کو اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرے اپنے سر کا اور اپنے دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک“۔ (علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں کہ) اِس حدیث کو حافظ ابو علی طوسی، ابو عیسیٰ ترمذی اور ابوبکر بزار نے حسن مانا اور حافظ ابنِ حبان اور ابنِ حزم نے اِس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے (نوٹ:۔ اِسی سلسلہ میں شرح معانی الآثار طحاوی مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اوّل ص۱۲ بھی دیکھئے)

رسُولِ خداؐ مسح کرتے تھے

حسبِ ذیل کتب اہلِ سُنۃ والجماعۃ میں لکھا ہوا ہے کہ وضو میں حضورؐ اپنے دونوں پاؤں کا مسح فرماتے تھے۔

۱۔ اصابہ فی تمییز الصحابہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۱۹۲ ترجمہ تمیم بن زید (اِس کتاب میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں)

٢۔ تفسیر ابنِ جریر طبری مطبوعہ دارالمعارف مصر جلد ١٠ صفحہ ۵۳ سطر ٦ تا ٩

٣۔ شرح معانی الآثار طحاوی مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اوّل صفحہ ٢١

سطر ٦۔ ٧

٤۔ نیل الاوطار شوکانی جلد اوّل صفحہ ١٦٤

٥۔ "کنز العمال" علامہ علی متقی بن حسام الدین مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد ٥ مسند تمیم بن زید المازنی، حدیث نمبر ٢١٩٣ صفحہ ١٠٢

٦۔ کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد ٥ مسند علی کرم اللہ وجہہ صفحہ ١٤٧ حدیث نمبر ٢٤٠٣

حضرت علی مرتضیٰ بھی مسح ہی کرتے تھے

دیکھئے شرح

معانی الآثار طحاوی مطبوعہ مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اوّل سطر ٣۔ ٤ صفحہ ٢١

اور مسندِ امامِ اہلِ سنۃ والجماعۃ احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ١١٦

امام محمد باقرؑ بھی مسح کرتے تھے

تفسیر ترجمان القرآن صدیق حسن بھوپالی مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ٣ صفحہ ٨٤٢ میں لکھا ہے کہ ابن عمرؓ و علقمہ و امام محمد (باقرؑ) و حسن بصری و جابرؓ اور ابن زید وغیرہم سے پاؤں کا مسح مروی ہے" (یہی بات تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ٣ صفحہ ٣٦٨ سطر ١٧۔ ١٨ سے بھی ثابت ہے)

نوٹ:۔ مسح کا مزید ثبوت عمدۃ التفسیر حافظ ابنِ کثیر مطبوعہ دارالمعارف مصر جلد ٤ صفحہ ٩٧ اور تفسیر معالم التنزیل برحاشیہ تفسیر خازن مطبعۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر الجزء الثانی صفحہ ١٦ میں دیکھئے)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا عُذر

فتح الباری شرح صحیح بُخاری حافظ ابنِ حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الخیریہ مصر الجزء الاوّل ص۱۸۷ میں حافظ ابنِ حجر نے تسلیم کیا کہ صحابہ میں سے حضرت علیؑ اور ابنِ عبّاسؓ اور انس پاؤں دھونے کے مخالف تھے"۔ لیکن پھر ابنِ حجر نے یہ دعویٰ کر دیا کہ حضرت علیؑ اور ابنِ عبّاسؓ نے رجوع کر لیا تھا"۔ حافظ ابنِ حجر کے اِس عُذر کا مطلب یہ ہوا کہ بابِ علمِ نبیؐ حضرت علیؑ اور عالمِ شریعت صحابی ابنِ عبّاسؓ دونوں رسُولؐ سے وضو سیکھ کر، ساتھ نمازیں پڑھنے کے بعد (معاذ اللہ) غلط وضو کرتے رہے پھر بعد میں رجُوع کر لیا"۔ یعنی پہلے تو پاؤں دھونے کی مخالفت غلط کرتے رہے (معاذ اللہ) پھر خود دھونے لگے (معاذ اللہ) حضرت علیؑ کو خود رسُولؐ نے اہلبیت طاہرینؑ میں شمار کیا ہے لہٰذا وہ سُنّت کی مخالفت کر ہی نہیں سکتے۔ بلکہ حضرت علیؑ اور ابنِ عبّاسؓ کا پاؤں دھونے کی مخالفت کرنا اِس امر کی دلیل ہے کہ پاؤں دھونا سُنّتِ رسُولؐ نہیں بلکہ مسح کرنا واجب ہے جیسا کہ قرآنِ حسنینؑ اور عملِ امام محمد باقرؑ اور عملِ رسُولؐ سے ثابت کیا گیا۔ لہٰذا حافظ ابنِ حجر کا دعویٰ درست نہیں۔

ایک عجیب عُذر کا جواب

بعض لوگ یہ عُذر کرتے ہیں کہ "پاؤں دھونا سُنّت ہے"۔ تو جواباً عرض ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ قرآن مجید میں اللہ نے مسح ہی واجب کیا ہے۔ عکرمہ اور عامر شعبی نے تسلیم کیا کہ جبریلؑ مسح ہی کا حکم لے کر نازل ہوئے حضرت ابنِ عبّاس صحابیٔ رسولؐ اور قتادہ نے کہا کہ "اللہ نے دو مسح فرض کئے ہیں" اور "وضو دو غُسل اور دو مسح ہے" پھر

یہ لکھنا کہ پاؤں دھونا سُنّت ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ)
رسُولؐ حکمِ خدا کے خلاف عمل کرتے تھے۔ حالانکہ رسُولؐ کی شان اس
سے بلند و بالا ہے کہ وُہ قرآن کے خلاف عمل کریں۔ لہٰذا ثابت ہوا
کہ وضو میں پاؤں دھونا ہرگز سُنّتِ رسُولؐ نہیں ہے۔ بنا بریں
جن روایات میں پاؤں دھونے کا حکم دینا یا دھونا حضورؐ سے منسوب
کیا گیا ہو، وُہ تمام روایات خلافِ قرآن ہونے کی وجہ سے موضوع
تسلیم کی جائیں گی۔

ضروری گذارش: رفیع الدین محدّث دہلوی نے اپنے ترجمۂ قرآن
میں "دھوؤ" یا "دھولو" کا لفظ ہرگز نہیں لکھا لیکن اِس امر کو ملحوظ رکھا
جائے کہ ۱۹۶۷ء سے کم از کم چالیس برس پہلے کا چھپا ہوا ترجمۂ
رفیع الدین محدّث دیکھا جائے کیونکہ آج کل بعض ناشرین اُصول

کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی جانب سے "دھولو" یا "دھوؤ" کا لفظ
اضافہ کرکے ترجمۂ رفیع الدین محدّث شائع کر رہے ہیں، یہ ایک شرمناک
حرکت ہے جو پیشۂ نشر و اشاعت کے اصولِ دیانت و امانت داری
کے خلاف ہے۔

خیال رہے اگر وضو صحیح نہ کیا جائے نماز نہیں ہوگی۔

طریقۂ نمازِ رسُولؐ

نماز کی ابتدا اور اختتام رسُولِ خدا (سورۂ) الحمد سے نماز شروع کرتے تھے اور تکبیر پر ختم کرتے تھے ثبوت
کے لئے دیکھئے صحیح بُخاری مطبوعہ مصر جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۰۰
(۲) صحیح مسلم مترجم مع شرح نووی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد دُوم

صفحہ ۷۴-۷۵ (۳) مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد اوّل صفحہ ۱۸۳ خیال رہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سُورۂ فاتحہ (الحمد) کی پہلی آیت ہے یعنی جزوِ سُورہ ہے ثبوت کے لیے دیکھیئے شرح معانی الآثار طحاوی مطبوعہ مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اوّل صفحہ ۱۱۷، صفحہ ۱۱۸ اور سُننِ کبریٰ بیہقی مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ صفحہ ۴۴، صفحہ ۴۵

بسمِ اللہ بلند آواز سے پڑھنا

امام اہل سنۃ والجماعۃ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر دُرِ منثور مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں: "واخرج الدارقطنی والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ یجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ۔" ترجمہ "دارقطنی وحاکم وبیہقی نے ابوہریرہ سے حدیث نقل کی ہے کہ ابوہریرہ نے بیان

کیا کہ رسُولِ خدا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جہرِ بسم اللہ مذہبِ علیؑ ہے

تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۱۵۹ کے الفاظ یہ ہیں:-

"اَن علیا کان مذھبہ الجھر ببسم اللہ فی جمیع الصلوٰۃ"

ترجمہ: "بے شک علیؑ کا مذہب تمام نمازوں میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا تھا۔" (مزید دیکھیئے سُننِ کبریٰ بیہقی مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ صفحہ ۴۸)

جہرِ بسم اللہ مذہبِ آلِ محمدؐ ہے

امام شوکانی اپنی کتاب نیل الاوطار (مطبوعہ مع حاشیہ عون الباری) جلد ۲ کے صفحہ ۹۱ میں تسلیم کرتے ہیں کہ "جہرِ بسم اللہ پر آلِ رسُولؐ نے اجماع کیا ہے" یعنی آلِ محمدؐ کے تمام افراد کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ بسم اللہ بلند

آواز سے پڑھی جائے۔

نکتہ | آلِ محمدؐ پر نماز میں دُرود پڑھا جاتا ہے۔ اگر نہ پڑھا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ پھر نماز ہی کے مسئلہ میں آلِ محمدؐ کی مخالفت کیونکر درست ہوگی؟ کم ازکم نماز میں تو آلِ محمدؐ کی اِتّباع کرلی جائے ہم شیعۂ علیؑ تو ہر معاملہ میں آلِ محمدؐ کی اِتباع ضروری سمجھتے ہیں۔

سرقۂ تسمیہ | "دراسات اللبیب" مصنّفہ علّامۂ اہلِ سنۃ والجماعۃ شیخ محمد مُعین لاہوری مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ص۹۵ میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حاکمِ شام، مدینہ آیا اور اس نے نماز میں بسم اللہ نہیں پڑھی تو مہاجرین اور انصار (اصحابِ رسولؐ) نے اُس کے اِس فعل سے ناواقفیت کا اظہار کیا اور صاف کہہ دیا۔ کہ "اَے ...[۱]... ! تُو نے بسم اللہ پڑھنے کی چوری کرلی"
(متعلقہ حاشیہ ۲ ص۸۱ کے نیچے)

نکتہ | چونکہ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا سُنّتِ رسُولؐ ہے۔ اور اصحابِ رسُولؐ (مہاجرین و انصار) سُنّت سمجھتے تھے۔ جب حاکمِ شام نے بلند آواز سے نہ پڑھی! اور اصحاب نے بسم اللہ نہ سُنی تو چور کہہ دیا! اگر بسم اللہ کو مخفی طور سے پڑھنا سُنّت ہوتا تو مہاجرین و انصار یہ سمجھ لیتے کہ حاکمِ شام نے مخفی طور سے بسم اللہ پڑھ لی۔ پھر "چور" نہ کہتے۔
اسی لیئے ہم شیعۂ علیؑ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے سُنا کر پڑھتے ہیں کہ کہیں مہاجرین و انصارِ مدینہ کے فتویٰ کی زد میں آکر "چور" نہ بن جائیں! اور تارکِ سُنّتِ رسُولؐ ہونے سے بھی محفوظ رہیں۔

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۸۰

عـ۱ یہاں اس کا نام لکھا ہوا ہے "دراسات اللبیب" ہی میں دیکھ لیا جائے۔
عـ۲ یہ دراسات اللبیب کی عربی عبارت کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔

نوٹ :۔ نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا مزید ثبوت حسبِ ذیل کتب اہلِ سُنّت والجماعت میں دیکھیے :۔

۱۔ دارقطنی مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۱۱۴ اور ص ۱۱۶ (۲) ازالۃ الخفاء ولی اللہ محدّث دہلوی مطبوعہ سعیدی کراچی مقصد دوم ص ۱۶۲ ،
(۳) کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن جلد ۴ ص ۹۶ حدیث ۲۰۰۴ ، ص ۲۰۹ حدیث نمبر ۴۴۷۶ تا ۴۴۸۰ اور ص ۲۱۰

آلِ محمدؑ تامین کے مخالف ہیں

امام شوکانی "نیل الاوطار" مطبوعہ مع حاشیہ عون الباری جلد ۲ ص ۱۱۶ میں لکھتے ہیں :۔ " وحکی المھدی فی البحر من العترۃ جمیعا ان التامین بدعۃ وقد استدل علی ان التامین بدعۃ بحدیث معاویہ بن الحکم " یعنی مہدی نے البحر میں عترت (آلِ محمدؑ) کا متفقہ بیان لکھا ہے۔ کہ تامین (یعنی نماز میں سورۃ الحمد کے بعد آمین کہنا) نئی چیز ہے۔ اور تامین کے نئی چیز ہونے پر حدیثِ معاویہ بن حکم سے استدلال کیا ہے "۔

نماز میں قنوت

مندرجہ ذیل کتبِ اہلِ سنت والجماعت میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت رسولِ خدا نماز میں قنوت پڑھتے تھے :۔ (۱) صحیح مسلم (عربی) مطبوعہ نولکشور جلد اوّل ص ۲۳۷ سطر ۱۱ یا المعلم ترجمہ صحیح مسلم علّامہ وحید الزمان مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۴۵۴ ، ص ۴۵۵ (۲) کتاب "فقہ عمرؓ" مصنفہ ولی اللہ محدّث دہلوی شائع کردہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ص ۶۸ (۳) سُننِ نسائی مترجم علّامہ وحید الزمان مطبوعہ مکتبۂ اثریہ کراچی جلد اوّل باب القنوت فی صلوۃ المغرب ص ۲۷۱ روایت برار بن عاذب (صحابی) (۴) مشکوۃ مترجم مطبوعہ

سعیدی کراچی جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ باب القنوت صـ۲۹۰، صـ۲۹۱

رفع یدین

حضرت رسالت مآبؐ نماز میں تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے۔ دیکھئے صحیح مُسلم مترجم مع شرح نووی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد۲ صـ۱ (۲) سُنن ابو داؤد (عربی) مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر الجزء الاوّل باب رفع الیدین صـ۲۶۹ سطر ۸ (۳) حجۃ اللہ البالغہ (عربی) ولی اللہ محدث مطبوعہ مطبعۃ بولاق مصر صـ۱ سطر ۳

جمع بین الصلوٰتین

حضرت رسُولِ خداؐ سفر یا بارش کے بغیر بھی دو نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے ثبوت کے لئے دیکھئے:۔ (۱) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد اوّل کتاب مواقیت الصلوٰۃ پارہ ۵ صـ۲۷۲ حدیث نمبر ۵۳۲

(۲) صحیح مسلم مترجم مع شرح نووی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد دوم صـ۲۵۸ یا المعلم ترجمہ صحیح مسلم مطبوعہ صدیقی لاہور صـ۷۵۴، صـ۷۵۵ (۳) سُنن ابوداؤد (عربی) مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر الجزء الثانی صـ۸ حدیث نمبر ۱۲۱۰، ۱۲۱۱ (۴) شرح معانی الآثار طحاوی مطبوعہ مطبع الاسلامیہ لاہور جلد اوّل صـ۹۵ سطر ۱۸ تا ۲۰ (۵) مؤطا امام مالک (عربی) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی صـ۱۲۶

علامہ اہلحدیث کا اعتراف

کتاب ہدیۃ المهدی مطبوعہ میور پریس دہلی جلد اوّل صـ۱۰۹ میں علامہ وحید الزمان حیدرآبادی لکھتے ہیں: "الجمع بین الصلوٰتین من غیر عذر ولا سفر ولا مطر جائز عند اهل الحدیث والتفریق افضل"۔ یعنی دو نمازیں اکٹھی پڑھ

لینا کسی عُذر، سفر اَور بارش کے بغیر اہلِ حدیث کے نزدیک جائز ہے اَور الگ الگ پڑھنا افضل ہے۔ (نوٹ :۔ مذہبِ امامیہ میں بھی اِسی طرح ہے)

سجدگاہ کا ثبوت

صحیح بُخاری مترجم مطبُوعہ سعیدی کراچی جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی الخمرۃ باب نمبر ۲۶۲ کے صفحہ ۲۲۰ پر حدیث نمبر ۳۷۱ یُوں موجُود ہے :۔

حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلَى الْخُمْرَةِ۔

ابُوالولید، شعبہ، سلیمان شیبانی، عبداللہ بن شدّاد، حضرت میمونہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم خُمرہ پر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

نوٹ :۔ مزید ثبوت کے لئے سُننِ کبریٰ ابیھقی مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ باب الصلوٰۃ علی الخمرہ ص ۴۲۱ دیکھئے)

خُمرہ کیا چیز ہے؟

کتاب "مجمع بحار الانوار" مصنّفہ علاّمہ محمد طاہر فتنی مطبوعہ نولکشور جلد اوّل باب الخاء مع المیم ن ص ۳۷۷ سطر ۱۹ میں "خُمرہ" کے معنے یُوں لکھے ہیں :۔

"ج هی الّتی یسجد علیها الآن الشیعه" یعنی یہ وہی چیز ہے جس پر اب شیعہ سجدہ کرتے ہیں۔"

نوٹ :۔ اہلِ سنّۃ والجماعۃ (بریلوی) کے رہنما علاّمہ احمد رضا خاں

بریلوی نے اپنی تصنیف "حیات الموات" شائع کردہ نوری کتب خانہ
بازار داتا صاحب لاہور کے صـ ۸۵ پر علامہ محمد طاہر کا ذکر یوں کیا ہے:-
"فاضل محدّث مولانا محمد طاہر فتنی احمد آبادی صاحب مجمع بحار الانوار"۔

ارسال الیدین یعنی ہاتھ کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا

مشہور و معروف دیوبندی بزرگ علامہ محمد اسمٰعیل المعروف
"شہید" دہلوی مصنفِ "تقویۃ الایمان" اپنی کتاب "تنویر العینین" مطبوعہ
دین محمدی پریس لاہور کے صـ ۳۱ پر یوں لکھتے ہیں:-

"اما ما روی من الارسال عن بعض التابعین
من نحو الحسن و ابراھیم و ابن المسیب و ابن
سیرین کما اخرجہ ابن ابی شیبہ فان بلغ

عندھم حدیث الوضع فمحمول علی انھم یحسبوہ
بسنۃ من سنن الھدی بل حسبوہ عادۃ من
العادات فمالوا الی الارسال لاصالتہ مع جواز
الوضع وان لم یبلغ عندھم حدیث الوضع فمحمول
علی انہ لم یثبت عندھم امر الوضع فعملوا بالارسال
بناءً علی الاصل اذ الوضع امر جدید یحتاج
الی الدلیل"۔

ترجمہ:- البتہ ارسال (یعنی نماز میں ہاتھوں کو کھلے چھوڑنا)
جو حسن بصری و ابراہیم و ابن مسیب و ابن سیرین جیسے بعض تابعین
سے روایت کیا گیا ہے جیسا کہ اُس (ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے) کو
ابن شیبہ نے نقل کیا ہے۔ تو اگر اُن (تابعین) کو ہاتھ باندھنے کی

حدیث پہنچی تھی[۱]۔ تو اس پر محمول ہے کہ انہوں نے اس (ہاتھ باندھنے
کو ہدایت کی سُنّتوں میں سے سُنّت ہرگز نہیں سمجھا بلکہ اُن (تابعین)
نے اس (ہاتھ باندھنے) کو عادتوں میں سے ایک عادت[۲] شمار کیا۔
پس وُہ ہاتھ کھولنے ہی کی جانب مائل رہے اُس کے اصل ہونے
کی وجہ سے مع جواز[۳] وضع کے۔ اور اگر ہاتھ باندھنے کی حدیث اُن
(تابعین) کے پاس پہنچی ہی نہیں۔ تو اس پر محمول ہے کہ ہاتھ باندھنے

---

۱ (اور اس کے باوجود وُہ ہاتھ کھولتے رہے) ۲ یعنی لوگوں
کی عادت۔ رسولؐ کی عادت ہوتی تو سُنّت سمجھتے۔

۳ "مع جواز وضع کے" لکھ تو دیا لیکن ثبوت ندارد۔ جب کہ وضع
"امرِ جدید" اور "محتاجِ دلیل" ہے پھر جواز وضع کے قائل کیسے ہوئے
دیکھئے عربی عبارت میں "امر جدید" کے الفاظ ہیں۔

کا حکم ان کے نزدیک ہرگز ثابت نہیں ہوا۔ پس انہوں نے ہاتھ کھولنے
کی تعلیم دی اصل ہونے کی بنا پر۔ جب کہ وضع (یعنی ہاتھ باندھنا) امر
جدید ہے دلیل کا محتاج ہے۔

نوٹ:۔ اسی طرح روضۃ الندیہ کے صفحہ ۶۵ پر مرقوم ہے

۲۔ "تنویر العینین" مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور ص ۲۱ سطر ۸ تا ۱۰ میں
علامہ محمد اسمٰعیل دیوبندی دہلوی لکھتے ہیں:۔ "ویحکی انہ حکم
بالارسال مع انہ کان مشہورا فی القرن الاول واتفق
علیہ اکثر العلماء فی القرن الاخر وقالوا ایضا ان ھذا
الفعل فی ھذہ البلاد تشبیہ بالروافض حیث ترک
شیوع مذھب الحنفیہ فلم یبق فاعلہ غیر الشیعہ"
ترجمہ:۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ حکم تو ہاتھ کھولنے ہی کا ہے۔ ساتھ

ہی یہ کہ یہی حکم قرنِ دوں (یعنی زمانہ رسولؐ) میں مشہور تھا اور اِسی (ہاتھ کھولنے) پر قرنِ آخر کے علماء کی اکثریّت نے اتفاق رکھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اِن شہروں میں یہ فعل (یعنی ہاتھ کھولنا) روافض سے مشابہ ہونے کی وجہ سے، مذہبِ حنفیہ کے پیروکاروں نے چھوڑ دیا پس اس (ہاتھ کھولنے) کے فعل پر باقی نہ رہے سوائے شیعہ کے۔

نوٹ: کسی کی ضد میں شیعوں نے اصل حکم کو نہیں چھوڑا لیکن علّامہ محمد اسمٰعیل المعروف "شہید" دہلوی دیوبندی کا یہ دعویٰ کہ سوائے شیعہ کے ہاتھ کھولنے کے فعل پر کوئی باقی نہ رہا حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ اہلسنت والجماعت میں سے مالکی حضرات ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ امام مالک کا فتویٰ نیچے ملاحظہ ہو:۔

۳۔ امام مالک کا فتویٰ

شرح کنز الدقائق مطبوعہ نولکشور

صفحہ ۲۵ میں علّامہ عینی حنفی تحریر فرماتے ہیں "قال مالک العزیمۃ فی الارسال والرخصۃ فی الوضع والاخذ" یعنی امام مالک نے فرمایا "پختہ حکم تو ہاتھ کھولنے کا ہے۔ اور ہاتھ باندھنے کی اجازت ہے۔"

نکتہ

مذہب اہلِ سنۃ والجماعۃ کی رُو سے ائمۂ اربعہ (ابو حنیفہ۔ احمد حنبل۔ شافعی۔ مالک) میں سے کسی کی فقہ پر عمل کرے۔ تو صحیح ہے۔ اِس لحاظ سے امام مالک کا حکم ہونے کی وجہ سے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا مذہبِ اہلِ سُنّۃ والجماعۃ میں صحیح ثابت ہے۔ لہٰذا ہاتھ کھولنے پر اعتراض کرنا خود مذہبِ اہلِ سنۃ والجماعۃ کی مخالفت ہے۔

تاویلِ فرنگی محلّی کا جواب

مفتی عبدالحیٔ فاروقی فرنگی محلّی لکھنوی نے فتاوی عبدالحیٔ مطبوعہ یوسفی پریس لکھنؤ جلد اوّل صفحہ ۱۸۶ میں یہ تو تسلیم کر لیا کہ ارسال (یعنی ہاتھ کھولنے)

کی روایات آتی ہیں لیکن پھر یہ تاویل کی ہے کہ ارسال سے مراد ہاتھوں
کو باندھنے سے پہلے ذراسی دیر لٹکانا ہے"۔ جواباً عرض ہے کہ امام
مالک اور اُن کے اہلِ سنۃ والجماعۃ مقلدین نے تو ارسال کے یہ معنے
نہیں سمجھے اور مشہور تابعین حسن بصری، ابراہیم، ابنِ مسیّب اور ابنِ
سیرین وغیرہم نے بھی ہاتھ کھول کر ہی نمازیں پڑھیں جیسا کہ "تنویر العینین"
سے نقل ہوا۔ اور علامہ اسمٰعیل دہلوی کی تحریر سے ہاتھ باندھنا امرِ
جدید اور محتاجِ دلیل ثابت ہو چکا۔ پھر اس تاویل کی گنجائش کہاں رہی؟

علاوہ ازیں "تنویر العینین" کی عبارت میں ارسال کے ذکر کے ساتھ
"شیعہ" اور "روافض سے تشبیہ" کے الفاظ ثابت کر رہے ہیں کہ وہی ارسال
مراد ہے جس پر شیعہ عمل کرتے ہیں۔ مفتی عبدالحیؔ صاحب کی تاویل والا
ارسال ہرگز مراد نہیں۔ لہٰذا تاویلِ فرنگی محلی درست نہیں۔

ہاتھ باندھنے کے متعلق امام مالک کا حکم

موطا امام مالک (عربی) مطبوعہ
نور محمد اصح المطابع کراچی ص۱۴۲ کے حاشیہ کشف المغطا میں مولانا
اشفاق الرحمٰن کاندھلوی لکھتے ہیں۔ "قال مالک فی وضع
الیمنی علی الیسری قال لا اعرف ذلک فی الفریضۃ
وکان یکرھہ ولکن فی النوافل اذا طال القیام فلا
بأس بذلک یعین بہ نفسہ" یعنی داہنا ہاتھ بائیں پر
رکھنے (ہاتھ باندھنے) کے بارے میں امام مالک نے فرمایا کہ فریضہ
(یعنی فرض نماز) میں، میں اس (ہاتھ باندھنے) سے واقف تک نہیں
ہوں[1] اور امام مالک اس کو مکروہ جانتے تھے۔ ہاں لیکن نوافل میں جب
قیام طول پکڑ جائے[2] تو حرج نہیں کہ اپنی جان کی مدد کے لئے ہاتھ

[1] یعنی امام مالک فرض نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے تھے
[2] شاید یہ ضرورت تراویح میں پڑتی ہوگی۔

باندھ لئے جائیں۔"

ہاتھ باندھنے کے متعلق حاشیۂ موطا کے اُسی صفحہ پر یہ لکھا ہے:

اجازها مالك في النفل ولم يجزها في الفرض" یعنی امام مالک نے ہاتھ باندھنے کی اجازت نفل میں دی ہے اور فرض میں اس کی اجازت نہیں دی"۔

اِن تمام توضیحات کے بعد مفتی عبدالحیٔ فرنگی محلّی والی تاویل کی کہاں گنجائش ہے؟

ہاتھ کھولنے کا مزید ثبوت

شرح صحیح مُسلم نووی مطبُوعہ نولکشور جلد اوّل صـ۱۷۳ سطر ۶ (۲) کبریتِ احمر بر حاشیہ الیواقیت والجواہر صـ۵۱ (۳) نیل الاوطار امام شوکانی مطبوعہ مع حاشیہ عون الباری جلد ۲ صـ۷۲ (۴) تیسیر الوصول

الی جامع الاُصُول مطبُوعہ نولکشور صـ۳۲۷ سطر ۵ تا ۱۸ (۵) جمع الفوائد من جامع الاصول ابن اثیر مطبُوعہ مطبعۃ الخیریہ میرٹھ صـ۷۳ سطر ۳۰ تا صـ۷۴ سطر اوّل میں ملاحظہ فرمائیے۔

مسئلہ تراویح

چونکہ غیر شیعہ حضرات پُوچھتے رہتے ہیں کہ شیعہ تراویح کیوں نہیں پڑھتے؟ اِس لئے وضاحت کی ضرورت ہوئی حقیقت یہ ہے کہ لفظِ "تراویح" زبانِ رسُولؐ سے ثابت نہیں یہ لفظ بھی بعد میں بنا۔ اور حضرت رسُولِ خداؐ تو ماہِ رمضان کی راتوں میں نمازِ شب یعنی تہجّد کے علاوہ "تراویح" نام کی کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اُردو ترجمہ

مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی پارہ ۸ جلد اوّل کتاب الصوم" نماز تراویح کا بیان" ص ۴۴۸، حدیث ۱۸۵۷ کی عبارت یُوں ہے :۔

" ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نماز رمضان میں کِس طرح ہوتی تھی ؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ رمضان میں اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نماز نہ پڑھتے تھے۔"

(نوٹ : ایسی ہی روایت صحیح مسلم مترجم مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد دوم ص ۲۲۷ میں موجود ہے)

علّامہ وحید الزمان کا اعتراف

کتاب "ہدیۃ المہدی" مطبوعہ میور پریس دہلی جلد اوّل کے ص ۱۰۹ پر علّامہ اہلحدیث وحید الزّمان حیدرآبادی لکھتے ہیں "وکذلک

صلوٰۃ التراویح فی رمضان سنۃ عند اھل الحدیث وھی التھجد" ترجمہ :۔ اور اسی طرح نماز تراویح رمضان میں سُنّت ہے اہل حدیث کے نزدیک، اور یہ تہجّد ہے"۔

نوٹ :۔ جب علّامہ اہل حدیث نے تسلیم کر لیا کہ "تراویح" تہجّد ہی ہے پھر رمضان کی قید کیوں لگائی ؟ جبکہ "تہجد" غیر رمضان میں بھی سُنّت ہے جیسا کہ بخاری کی روایت کی رُو سے بی بی عائشہ کا بیان ہے کہ رسُولِ خُداؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت ہی پڑھتے تھے" یعنی حضورؐ غیر رمضان میں بھی تہجّد پڑھتے تھے۔ لہٰذا تہجّد کی نماز غیرِ رمضان میں بھی سُنّت ہے۔

علّامہ وحید الزّمان اہلحدیث نے رمضان کی قید شاید اس وجہ سے لگائی ہے کہ اُن کے نزدیک تہجّد کا نام رمضان میں تبدیل ہو کر "تراویح" ہو جاتا ہے اور جُونہی رمضان ختم ہوا پھر تراویح سے تبدیل ہو کر تہجّد ہو

جاتا ہے لیکن علامہ موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ نام کو تبدیل کرنا کس حدیث کی رُو سے ضروری ہے؟

نمازِ تہجد اور جماعت

تمام مسلمان جانتے ہیں کہ نماز تہجد باجماعت نہیں پڑھی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی جماعت کا حکم دینے والے اُمتی شخص نے خود ہی اُس کی جماعت کو "اچھی نئی چیز" کہا جیسا کہ صحیح بخاری پارہ نمبر ۸ کتاب الصوم باب "فضل من قام رمضان" میں اور مشکوٰۃ (اُردو ترجمہ) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی جلد اوّل ص ۲۳۹ حدیث نمبر ۱۲۱۶ میں مرقوم ہے

نکتہ

جب اُس اُمتی شخص نے محض اپنی رائے سے ایک قاری کے پیچھے جمع ہونے (یعنی تہجد کو باجماعت پڑھنے) کا حکم دے کر اُس کو "نئی چیز" تسلیم کر لیا تو ہم اُسے "سُنّتِ مؤکدہ" کیونکر تسلیم کر لیں؟

اگر رسُولِ خدا نے تہجد کی جماعت کا حکم دیا ہوتا تو اُس اُمتی کو "نئی چیز" کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

مزید تفصیل

حسب ذیل کتب میں موجود ہے:۔ (۱) "الفاروق" مصنفہ شمس العلماء شبلی نعمانی مطبوعہ منصور پریس اُردو حصّہ دوم باب اولیات ص ۶۶۳ (۲) اُردو ترجمہ تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۷۳-۷۴ (۳) حیٰوۃ الحیوان علّامہ دمیری جلد اوّل ص ۴۳۱ (۴) کتاب سیرت "محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم" مصنفہ محمد رضا مصری مطبوعہ مصر طبعہ ثالث ص ۱۲۹ سطر ۱۲ (۵) تاریخ ابوالفداء مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۱۷۴ (۶) "انتقاد الرجیح" صدیق حسن بھوپالی ص ۶۲ و ص ۶۳

وقتِ افطارِ صوم

۱۔ قرآنِ مجید پارہ ۲ سورۃ البقرہ میں اللہ فرماتا ہے "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ" ج

ترجمہ :- "پھر پورا کرو روزوں کو رات (ہونے) تک"۔ لہٰذا جب تک رات نہ ہوجائے افطار درست نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے "اِلَی المغرب" نہیں فرمایا "اِلَی الَّیل" فرمایا ہے۔

۲۔ کتاب "فقہ عمر" مصنفہ ولی اللہ محدث دہلوی[1]، صفحہ ۱۱۰ روایت نمبر ۳۵۶ میں مرقوم ہے کہ حضرت[2]...... اور حضرت[3]...... نمازِ مغرب

[1] شائع کردہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ [2] و [3] کتاب "فقہ عمر" میں اس مقام پر دو صحابیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں وہیں دیکھ لیے جائیں۔

کے بعد روزہ افطار کرتے تھے"۔ خیال رہے کہ یہ دو بڑے صحابیوں کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ اُن دونوں صحابیوں نے "اِلَی الَّیل" کا مفہوم یہ سمجھا کہ نمازِ مغرب کے بعد روزہ افطار کیا جائے۔ اب یہ فیصلہ خود کرلیا جائے کہ نمازِ مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے والوں کے روزے مکروہ ہوئے یا نہیں؟ اور وہ دونوں جو نمازِ مغرب کے بعد افطار کرتے تھے، اُن کا یہ فعل سنّتِ رسولؐ کے مطابق تھا یا خلاف؟ حقیقت تو یہی ہے کہ وہ جانتے تھے کہ نمازِ مغرب کے بعد افطار کرنا ہی سنّتِ رسولؐ ہے اَور وہ نہیں۔

تکبیراتِ جنازہ اَور اذان کا مسئلہ

"حَیَّ عَلیٰ خَیْرِ العَمَل" یہ الفاظ عہدِ رسالتؐ میں اذان میں

پڑھے جاتے تھے[۱] لیکن بعد میں ایک اُمّتی شخص[۲] نے منع کر دیا ثبوت کے لئے دیکھئے (۱) نیل الاوطار امام شوکانی جلد اوّل ص۳۳۹ (۲) صحیح مُسلم مترجم مطبوعہ سعودیہ کراچی جلد دوم ص۱۰ سطر ۷ تا ۲۱ (۳) کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۴ ص۲۶۶ حدیث ۵۴۸۹

(نوٹ: ہم شیعیانِ علیؑ نے اُس اُمّتی کے حکم پر عمل نہیں کیا)

"اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم"

یہ الفاظ صبح کی اذان میں کہنے کا حکم کس نے دیا؟ یہ بات حسبِ ذیل کُتب دیکھنے سے معلوم ہو جاتی ہے:-

(۱) "الفاروق" مصنفہ شمس العلماء شبلی نعمانی مطبوعہ منصور پریس لاہور حصہ دوم باب اولیات ص۶۶۳ (۲) "روضۃ الاحباب" مصنفہ جمال الدین محدث مطبوعہ امین آباد لکھنؤ ص۳۰۷ (۳) اُردو ترجمہ "ازالۃ الخفاء" ولی اللہ محدث

[۱] لہٰذا جزوِ اذان ہیں۔ [۲] جو شارع نہیں تھا۔

دہلوی مطبوعہ سعیدی کراچی مقصد دوم ص۱۵۸ (۴) "نیل الاوطار" امام شوکانی مطبوعہ مع حاشیہ عون الباری جلد اوّل ص۳۳۸ (۵) "تحقیقِ عجیب" مصنفہ مفتی عبدالحیٔ فاروقی فرنگی محلی لکھنوی ص۵ (۶) "مؤطا" امام مالک (عربی) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی باب الاذان ص۵۷ سطر ۵ تا ۷

تکبیراتِ جنازہ

نمازِ جنازہ میں چار سے زیادہ تکبیریں کہنے سے کس نے منع کیا؟ یہ حسبِ ذیل کُتب میں دیکھئے:-

(۱) تاریخ الخلفاء سیوطی (اُردو) مطبوعہ صدیقی لاہور ص۷۳-۷۲ (۲) "الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ منصور پریس لاہور باب اولیات ص۶۶۳ (۳) تاریخ ابوالفداء (عربی) مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۱۷۴

قیاس کا مسئلہ

صحیح مسلم مترجم شرح نودی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد دوم ص۲۷۲ سطر ۱۱ تا ۱۲ میں علامۂ اہلحدیث وحید الزمان حیدرآبادی (مترجم صحیح مسلم) یُوں لکھتے ہیں :- "شرع وہی ہے جو نبیؐ سے ثابت ہو، نہ رائے اور قیاس کسی کا، علی الخصوص جب مخالفِ نبی ہو اگرچہ سارا جہان اُس کا قائل کیوں نہ ہو۔"

اہلبیتؑ کا فیصلہ

کتاب "دراسات اللبیب" مُصنّفہ شیخ محمد معین لاہوری مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ص۲۴۵ میں لکھا ہے کہ ائمۂ اثنا عشرؑ (یعنی ائمۂ اہلبیتؑ) قیاس کے قائل نہیں! اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک بڑے مشہور شخص

نے فرمایا کہ "مجھے یہ اطلاع پہنچی ہے کہ تُو قیاس کرتا ہے پس قیاس مت کیا کر پس تحقیق سب سے پہلے جس نے قیاس کیا، ابلیس ہے۔"

ائمۂ اہلبیتؑ میں اختلاف نہیں

ائمۂ اہلبیتؑ کے متعلق دراسات اللبیب کے ص۲۴۵ پر یُوں مرقوم ہے :- "ومذهب بعضهم مذهب الكل كما لا يخفى على من أحاط ببعض خصائص احوالهم" (اہلبیتؑ میں سے بعض کا مذہب اُن سب کا مذہب ہوتا ہے (ان میں اختلاف نہیں) جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جو اُن کے بعض خصوصیات سے پُوری واقفیت رکھتا ہے۔"

مسئلہ آمدِ حضرت شہربانوؑ

حضرت شہربانوؑ کی آمد کا جو قصّہ مذہب امامیہ کی مخالفت کی غرض

سے وضع کر کے مشہور کیا گیا ہے اُس کے متعلق اہلِ سنۃ والجماعت کے
مشہور و معروف مورّخ "شمس العلماء" شبلی نعمانی اپنی کتاب "الفاروق"
مطبوعہ نقوش پریس حصّہ دوم ص۱۵۲ میں یُوں لکھتے ہیں :-

"اِس غلط قصّہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فنِ تاریخ
سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابنِ خلکان نے امام
زین العابدینؑ کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن
یہ محض غلط ہے! اوّلاً تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی اور
بلاذری، ابنِ قتیبہ وغیرہ کسی نے اِس واقعہ کو نہیں لکھا! اور زمخشری
کا فنِ تاریخ میں جو پایہ ہے وُہ ظاہر ہے اِس کے علاوہ تاریخی قرائن اس
کے بالکل خلاف ہیں حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یزدگرد اور
خاندانِ شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ

میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا جب
مسلمان حلوان پر بڑھے تو وُہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں
ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر سنہ ۳۱ھ میں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی
خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا اُس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے
تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی
معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔"

نوٹ :- "الفاروق" مصنفہ شبلی نعمانی کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت
ہوا کہ حضرت عمر کے عہد میں حضرت شہربانو ہرگز تشریف نہیں لائی تھیں
لیکن علامہ شبلی نعمانی نے جو عہدِ عثمانی کے متعلق لکھا کہ یزدگرد کی آل اولاد
اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے یہ محض
ایک بے ثبوت قیاس ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی اس کی

تائید میں کوئی حوالہ تحریر نہ کرسکے۔ بلکہ علاّمہ کو خود اس کا یقین نہ تھا جیسا
کہ انہی کے الفاظ "اگر گرفتار ہوئے ہونگے" ظاہر کر رہے ہیں۔ لہٰذا علاّمہ
شبلی کے اِس بے ثبوت قیافہ کی کچھ اہمیّت نہیں ہے جبکہ اس کے
خلاف تاریخی ثبوت بھی موجود ہے کہ حضرت شہربانوؑ عہدِ حکومتِ مولا
علیؑ میں تشریف لائی تھیں۔

حضرتِ شہربانوؑ کس طرح تشریف لائیں

"روضۃ الصفا" مصنفہ علاّمہ
خاوند شاہ مطبوعہ بمبئی جلد سوم صفحہ ۹ سطر ۴ میں "ذکرِ احوالِ علیؑ بن الحسینؑ"
میں یُوں مرقوم ہے:-

" امیر المؤمنین علیؑ حریث ابنِ جابر جنفی را بحکومت بعضی از بلادِ مشرق
فرستاد حریث دو دختر یزدجرد را بدست آوردہ بخدمت آنحضرتؑ آورد

و حضرت مقدس امیر المؤمنین علیؑ شہربانو را بقرۃ العین حسینؑ داد و
دیگری را کہ مسماۃ بگیہان بانو بود بہ محمد ابن ابی بکر ارزانی داشت" یعنی
حضرت امیر المؤمنین علیؑ نے حریث ابن جابر جنفی کو بعض بلادِ مشرق
کے انتظام کو بھیجا۔ اور حریث کو یزدجرد کی دو لڑکیاں مل گئیں تو انہوں
نے حضرت علیؑ کے پاس پہنچا دیں۔ اور حضرت مقدّس امیر المؤمنین
علیؑ نے شہربانوؑ کو قرۃ العین امام حسینؑ کی زوجیت میں دے دیا۔
اور دوسری کو جن کا نام گیہان بانو تھا، حضرت محمدؓ ابن ابی بکر کو
عنایت فرما دیا۔

تحقیقِ مسئلہ عقدِ اُمِّ کلثومؑ

جس اُمِّ کلثوم کا عقد حضرت عمر سے سنہ ۱۷ھ میں ہوا وہ حضرت

علیؑ کی دختر نہ تھی۔ اس امر کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

دلیل ۱ "الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ نقوش پریس لاہور حصہ دوم ص ۵۳۹ اور تاریخ ابوالفداء مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۷۱ میں مرقوم ہے کہ زیر بحث عقد ۱۷ھ میں ہوا۔ اور ہدایت السعداء مصنفہ ملک العلماء قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزرانی دولت آبادی ص ۲۵۵ میں مرقوم ہے کہ ام کلثوم کی عمر اس وقت چار سال یا ۴ اور ۵ کے درمیان تھی یعنی ۱۷ھ میں بوقت عقد ام کلثوم پورے پانچ سال کی بھی نہ تھی۔ تو یقیناً ۱۲ھ میں پیدا ہوئی جبکہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات ۱۱ھ میں ہو چکی تھی۔ لہٰذا وہ ام کلثوم حضرت فاطمہؑ کی دختر نہیں تھی۔

دلیل ۲ شرح مواقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۷۳۵ میں لکھا ہے

کہ حضرت ام کلثوم (بنت علیؑ) نے ہبہ فدک کی گواہی دی۔ یہ واقعہ ۱۱ھ میں ہوا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ حضرت ام کلثومؑ کی عمر ۱۱ھ میں کم از کم چھ سال تو ہوگی تاکہ گواہی دینا ممکن ہو۔ پھر ۱۷ھ میں دختر علیؑ و بتولؑ ام کلثوم کی عمر کم از کم ۱۲ سال ہوئی یعنی ۱۷ھ میں بالغ تھیں لیکن وہ عقد والی ام کلثوم ۱۷ھ میں چار یا پانچ سال کی کمسن اور نابالغ تھی۔ لہٰذا وہ کوئی اور ام کلثوم تھی دختر علیؑ و زہراؑ ہرگز نہ تھی۔

دلیل ۳ "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" مصنفہ علامہ ابن عبدالبر مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۲ ص ۷۹۵ اور تاریخ الخمیس علامہ حسین بن محمد دیاربکری مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر جلد ۲ ص ۳۱۸ سطر ۲۵ تا ۳۰ میں لکھا ہے کہ عقد کے بعد ام کلثوم سے دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔ زید جوان ہوئے اور ایک خانہ جنگی میں زخمی ہو گئے

پھر زید اور اُن کی والدہ اُمِ کلثوم دونوں کا انتقال ایک ساتھ ہو گیا۔
اُن دونوں کی نمازِ جنازہ عبد اللہ ابنِ عمر، سعد بن ابی وقاص اور امام
حسنؑ نے پڑھی"۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کی (۱۷ سنہ کے عقد والی) زوجہ اُمِ
کلثوم، حضرت امام حسنؑ کی شہادت سے پہلے ہی انتقال کر چکی تھی
جبکہ امام حسنؑ کی شہادت ۵۰ سنہ ھ میں ہوئی دیکھئے تاریخ الامم والملوک
ابنِ جریر طبری مطبعۃ الحسینیہ قاہرہ مصر جلد ۱۲ ص ۱۵۔ ثابت ہوا کہ
اُمِ کلثوم زوجۂ حضرت عمر ۵۰ سنہ ھ کے بعد ہرگز موجود نہ تھی لیکن "الاخبار
الطوال" (مطبوعہ بریل لیڈن) مصنفہ ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری ص ۲۴۲
روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۵۸۵ اور نہایہ ابن اثیر بیان لغت فرث ص ۲۶۸
سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ و فاطمہ زہراؑ کی دختر حضرت اُمِ کلثوم ۶۱ سنہ

میں کربلا میں موجود تھیں۔ بلکہ واقعۂ کربلا کے کافی عرصہ بعد حضرت زینبؑ
بنتِ علیؑ کی وفات ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؑ سے حضرت اُمِ
کلثومؑ کا عقد ہوا جیسا کہ "تاریخ الخمیس" مصنفہ علامہ حسین بن محمد دیار بکری
مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الثانی ص ۳۱۸ سطر ۱۲ تا ۲۳ میں لکھا
ہوا ہے کہ حضرت عونؑ کی وفات کے بعد محمد بن جعفرؑ سے اور ان کی وفات
کے بعد عبد اللہ بن جعفرؑ سے حضرت اُمِ کلثومؑ کا عقد ہوا"۔ اس امر میں
کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت اُمِ کلثومؑ سے پہلے حضرت زینبؑ
عقد عبد اللہ بن جعفرؑ میں تھیں اور ۶۱ سنہ ھ (واقعۂ کربلا) تک حضرت
زینبؑ یقیناً زندہ تھیں۔ لہٰذا حضرت اُمِ کلثومؑ بنتِ علیؑ کا عقد حضرت
عبد اللہ بن جعفرؑ سے یقیناً ۶۱ سنہ ھ کے بعد ہی ہوا۔ تو ثابت ہوا کہ حضرت
علیؑ و زہراؑ کی بیٹی حضرت اُمِ کلثوم ۶۱ سنہ تک زندہ تھیں بلکہ اس

کے بعد بھی کافی عرصہ زندہ رہیں لیکن سنہ ۱۷ھ کے عقد والی اُمِّ کلثوم زوجۂ حضرت عمر کا انتقال سنہ ۵۰ھ سے پہلے ہو چکا تھا۔ تو یقیناً وہ حضرت علیؑ کی دُختر نہ تھی بلکہ کوئی اور اُمِّ کلثوم تھی۔

دلیل ۴ — مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت اُمِّ کلثومؑ کا عقد عونؑ بن جعفرؑ سے ہوا تھا دیکھئے تاریخ الخمیس علّامہ دیار بکری مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الثانی ص ۳۱۸ سطر ۲۱ تا ۲۳۔

لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عونؑ بن جعفرؑ کی وفات کے بعد حضرت عمر سے عقد ہوا۔ کیونکہ تاریخ الخمیس وغیرہ میں لکھا ہے کہ عونؑ بن جعفرؑ کے بعد محمدؑ بن جعفرؑ سے عقد ہوا اور اُن کے بعد عبداللہ بن جعفرؑ سے۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرت عمر کی وفات کے بعد عونؑ بن جعفرؑ

سے عقد ہوا تو یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ وفاتِ حضرت عمر کے بعد حضرت عونؑ بن جعفرؑ موجود ہی نہ تھے جیسا کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی کتاب "اصابہ فی تمییز الصحابہ" مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر الجزء الخامس ۵، حرف العین ترجمہ نمبر ۶۱۰۲ ترجمہ عونؑ بن جعفرؑ ص ۴۵ سطر ۲ میں یُوں لکھا ہے

"وقال ابو عمر استشهد عون بن جعفر فی تستر وذلك فی خلافة عمر و ماله عقب"

ترجمہ: "اور ابو عمر نے کہا عونؑ بن جعفرؑ تستر (کی لڑائی) میں شہید ہُوئے اور یہ واقعہ حضرت عمر کے عہدِ حکومت میں ہوا اور عونؑ کوئی اولاد نہیں چھوڑ گئے"۔

لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ علیؑ کا عقد حضرت عونؑ بن جعفرؑ سے تستر کی لڑائی سے پہلے ہی ہوا۔ ثابت ہوا کہ حضرت عمر بن

خطاب کی زندگی اور اُن کے عہدِ حکومت میں ہی حضرت اُمِّ کلثومؑ بنتِ علیؑ حضرت عونؑ بن جعفرؑ کے عقد میں تھیں۔ تو ۱۷ھ کے عقد والی اُمِّ کلثوم زوجہ حضرت عمر یقیناً کوئی اور اُمِّ کلثوم تھی حضرت علیؑ کی دُختر نہ تھی۔

زُبیر بن بکّار کی روایت

جب کہ پُختہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ ۱۷ھ میں جس اُمِّ کلثوم کا عقد چار سال کے سِن میں حضرت عمر سے ہوا اور جس کا اِنتقال ۵۰ھ سے پہلے ہوا۔ وُہ ہرگز دُخترِ علیؑ نہ تھی۔ پھر حضرت اُمِّ کلثومؑ بنتِ علیؑ کے متعلق زُبیر بن بکّار کی روایت کا موضوع ہونا یقینی امر ہے خواہ وُہ روایت کسی شیعہ کتاب میں ہو یا سُنّی کتاب میں یہی وجہ ہے کہ مشہور شیعہ مجتہد شیخ مفید علیہ الرحمہ کا ارشاد شیعہ کتاب

"مرآۃ العقول" میں یُوں موجود ہے کہ "یہ روایت ہرگز ثابت نہیں بلکہ زبیر بن بکّار نے بُغضِ علیؑ کی وجہ سے (وضع کرکے) بیان کی"۔

وُہ اُمِّ کلثوم کون تھی

حضرت ابُوبکر کی وفات کے بعد اُن کی ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جس کا نام اُمِّ کلثوم رکھا گیا تھا۔ ثبوت کے لئے حسب ذیل کتبِ اہل سنۃ والجماعۃ ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) تاریخ الامم والملوک ابنِ جریر طبری مطبعۃ الحسینیہ قاہرہ مصر الجزء الثانی ص۵۰ (۲) تاریخ کامل علامہ ابن الاثیر مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۱۶۱ سطر ۲۴ (۳) تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر جلد ۲ ص۲۶۷ (۴) الاصابہ فی تمییز الصحابہ مصنّفہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر الجزء الثامن ص۲۸۶ سطر ۲۰، اور

الجزء الثالث صـ٢٧ ترجمہ زید بن خارجہ اور الجزء الثالث صـ٢١١ سطر
٢٠ باب ش میم ترجمہ الشماخ ۔

چونکہ بی بی عائشہ، اُمِ کلثوم بنتِ ابوبکر کی بڑی بہن تھیں اِس
وجہ سے حضرتِ عمرؓ نے بی بی عائشہ کے پاس اُمِ کلثوم کے لئے پیغام
نکاح بھیجا تھا اور بی بی عائشہ رضامند ہوگئی تھیں۔ ثبوت کے لئے
دیکھئے تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر جلد ٢ صـ٢٦٧،
تاریخ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر جلد ٣ صـ٢١ اور الاستیعاب فی معرفۃ
الاصحاب" ابن عبدالبر مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ٢ صـ٧٩٥

مزید یہ کہ اُمِ کلثوم بنتِ حضرت ابوبکر ہی کی عمر ١٧ سنہ ھ میں
چار سال کے قریب ہوسکتی ہے۔ ان قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے
کہ ١٧ سنہ ھ میں جس اُمِ کلثوم کا عقد ہوا وہ بنتِ ابوبکر ہی تھی بہرحال

حضرت اُمِ کلثوم بنتِ علیؑ کا عقد حضرت عمر سے ہرگز نہیں ہوا اور
یہ ممکن بھی نہیں تھا۔

مسئلہ بنات

حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے علاوہ رسولِ خداؐ کی جو بیٹیاں بیان
کی جاتی ہیں۔ اُن کے نام زینب[1]، رقیہ[2]، اور اُمِ کلثوم[3] ہیں۔ لیکن
حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے علاوہ حضرت رسولِ خداؐ
کی کوئی حقیقی بیٹی نہ تھی۔ بلکہ حضورؐ یتیموں کی پرورش فرمایا کرتے تھے
اسی طرح ان تینوں (یعنی زینب و رقیہ و اُمِ کلثوم) کی بھی پرورش
فرمائی۔ اور حضورؐ کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے انہیں رسولؐ
کی بیٹیاں سمجھ لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ خود غیر شیعہ مورّخین بھی

پر متفق نہیں کہ وُہ رسُولؐ کی بیٹیاں تھیں۔

جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہٗ مصر میں "ذکر أزواجه صلّی اللہ علیہ وسلّم" میں حضرت خدیجہؑ کے متعلق یُوں مرقوم ہے :-

"وكانت قبله عند أبي هالة بن مالك، أحد بني أُسَيِّد بن عمرو بن تميم، حليف بني عبد الدار فولدت له هند بن أبي هالة وزينب بنت أبي هالة" یعنی "حضرت خدیجہؑ، حضورؐ سے پہلے ابو ہالہ بن مالک کے پاس تھیں جو بنی عبد الدار کے حلیف قبیلہ بنی اُسَیِّد بن عمرو بن تمیم کا فرد تھا پس حضرت خدیجہؑ سے اُس (ابو ہالہ کے دو بچے) پیدا ہوئے ہند بیٹا ابو ہالہ کا اور زینب بیٹی ابو ہالہ کی" [۱]

[illegible]

نوٹ :- تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الاوّل صفحہ ۲۹۷ سطر ۳ میں بھی زینب کو ابو ہالہ ہی کی بیٹی لکھّا ہے۔

اور الاصابہ فی تمییز الصّحابہ مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر الجزء السادس حرف النون باب ھ - ن ترجمہ نمبر ۹۰۰۶ میں یُوں مرقوم ہے :-

"هند بن أبي هالة التميمي ربيب النبي صلى الله عليه وآله وسلم أمه خديجه زوج النبي صلى الله عليه وآله وسلم" یعنی "ہند بیٹا ابو ہالہ تمیمی کا، نبیؐ کا پرورش کیا ہوا اُس کی ماں خدیجہ زوجۂ پیغمبرؐ ہیں"

سیرتِ ابنِ ہشام اور اصابہ کی مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے کہ ہند بن ابو ہالہ اور زینب بنتِ ابو ہالہ دونوں تمیمی بچے تھے۔ جن کو

...نا حضورؐ کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے زینب
...ور رسولؐ ہی کی بیٹی سمجھ لیا گیا۔

...رح رُقیّہ وامّ کلثوم بھی رسُولِ خدا کی پالی ہوئی تھیں۔
...ان ...یں تھیں جیسا کہ الاصابہ فی تمیز الصحابہ مصنّفہ
...سقلانی مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر جلد ۴ الجزء الثامن
...سطر ۴ ترجمہ ۱۴۶۴ سے اُمّ کلثوم کا ربیبہ یعنی پالی ہوئی
...ت ہے۔ "(امّ کلثوم) بنت ابی سلمۃ بن عبد الاسد
...بن العزی المخزومیۃ ربیبہ رسول اللہ صلی
...علیہ وآلہ وسلم" یعنی اُمّ کلثوم ابی سلمہ بن عبد العزی
...قبیلہ بنی مخزوم سے تھیں۔ رسولؐ کی پالی ہوئی تھیں۔

...یں لفظِ بنات

قرآن میں جو لفظِ بنات آیا ہے

اُسی طرح آیۂ مباہلہ میں بھی حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے لئے صیغۂ جمع "نساءنا" آیا ہے اور حسنینؑ کے لئے ابناءنا بھی جمع ہے۔ حالانکہ عربی میں جمع تین سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا صیغۂ جمع کو دلیل بنانا درست نہیں علاوہ ازیں حسنینؑ جس طرح نواسے ہو کر "ابناءنا" کے مصداق ہیں اسی طرح جناب سیّدہؑ کی بیٹیاں زینبؑ واُمّ کلثومؑ "بنات" میں شامل ہیں۔

"نُورَین"

رقیّہ اور اُمّ کلثوم کو جو لوگ "نُورَین" (یعنی ۲ دو نُور) کہتے ہیں اُنہیں اِس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ وُہ دونوں مُبیّنہ نُور، کافی عرصہ ابولہب کے کافر بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی بیویوں کی حیثیت سے رہے جیسا کہ "مواہب لدُنیّہ" قسطلانی مطبعۃ الشرفیہ مصر جلد اوّل ص ۱۹۷ سطر ۲ تا ۶ اور "مروج الذہب" مسعودی مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۲۹۸ سطر ۳۔۴ کے علاوہ دیگر کتُب میں تسلیم کیا گیا ہے لیکن عتبہ

اور عتیبہ، اُن "نُورین" کے شوہر رہنے کے باوجود ایمان والے نہیں ہوئے۔
نہ ہی اُن کافروں کی کوئی فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔ پھر بھلا محض
رشتۂ زوجیت کو دلیلِ فضیلت بنانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اہلِ علم
سے مخفی نہیں ہے کہ فرعون آسیہ کا شوہر ہونے کے باوجود فرعون
ہی رہا۔ اور حضرت لُوطؑ کی بیوی، نبیؑ کی بیوی ہونے کے باوجود گمراہ
رہی اور عذاب میں مبتلا ہوئی۔

مزید یہ کہ ضروری نہیں کہ نبی کی ہر اولاد نُور ہو۔ ورنہ آدمؑ کا بیٹا
قابیل اپنے بھائی حضرت ہابیل کو شہید نہ کرتا۔ حضرت نُوحؑ کا بیٹا کنعان
غرق نہ ہوتا اور بنیامینؑ کو چھوڑ کر باقی برادرانِ یُوسفؑ، نبی کی اولاد
ہونے کے باوجود یُوسفؑ کو کنوئیں میں نہ پھینکتے۔ لہٰذا ثابت ہوا
کہ نبی کی ساری اولاد نُور نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف وہی اولاد نُور ہوتی

ہے جسے اللہ نے نُور سے پیدا کیا ہو۔ تو جب تک قرآن و حدیث سے
کسی کا نُور ہونا ثابت نہ ہو اُسے نُور کہنا کیونکر درست ہوگا۔ حقیقت
یہ ہے کہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ رسُولِ خدا نے رُقیہؑ اور
اُمِّ کلثوم کو "نُورین" فرمایا ہو۔ بلکہ اُن دونوں کے متعلق یہ بھی ثابت نہیں کہ
وُہ رسُولؐ کی بیٹیاں تھیں۔

دامادئ رسُولؐ خصوصیّتِ علیؑ ہے

کتاب اہلِ سنّۃ والجماعۃ "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" مصنّفہ
محب طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ میں یہ حدیثِ رسُول موجُود ہے:۔
"عن ابی الحمرا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال لعلی اوتیت ثلثا لم یؤتهن احد ولا انا اوتیت

صهرًا مثلی ولم اوت انا مثلی واوتیت زوجۃ صدیقۃ
مثل ابنتی ولم اوت مثلها زوجۃ واوتیت الحسن
والحسین من صلبك ولم اوت من صلبی مثلهما
ولکنکم منی وانا منکم" ترجمہ:- ابوالحمراء (صحابی رسولؐ)
سے مروی ہے کہ رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا "تجھے تین
چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو کسی کو نہیں دی گئیں اور نہ ہی مجھے دی
گئیں۔ (۱) تجھے مجھ ایسا خسر دیا گیا اور مجھے ایسا نہیں دیا گیا۔ (۲)
تجھے صدیقہ زوجہ دی گئی میری بیٹی جیسی، اور مجھے ویسی زوجہ نہیں
دی گئی (۳) تجھے حسنؑ اور حسینؑ دیئے گئے تیرے صُلب سے اور
مجھے اُن دونوں جیسے میرے صُلب سے نہیں دیئے گئے۔ ہاں
مگر تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں"۔ (نوٹ:- یہ حدیث فردوس الاخبار

دیلمی اور شرف النبوۃ ابوسعد میں بھی موجود ہے)

نکتہ فرمانِ رسولؐ سے ثابت ہوا کہ علیؑ کو تین چیزیں دی گئیں وہ کسی کو بھی نہیں دی گئیں جن میں سے ایک یہ ہے
کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ جیسا خسر ملا یعنی رسولؐ سوائے حضرت علیؑ
کے کسی کے خسر نہیں۔ لہٰذا حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے سوا رسولؐ
کی کوئی دختر نہ تھی۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ "صدیقہ" حضرت فاطمہؑ ہیں۔

احوالِ مصاحفِ قرآن

ہم پیروکاران مذہبِ امامیہ، قرآنِ مجید میں کسی لفظی کمی بیشی کے
قائل نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے مشہور عالمِ دین شیخ صدوق علیہ الرحمہ

نے "اعتقادیہ" میں وضاحت فرمادی ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ
کمی بیشی کی تمام روایات (خواہ وہ کسی فرقہ کی کتابوں میں ہوں) قطعاً
موضوع اور ناقابلِ اعتبار ہیں لیکن آیات اور سورتوں کی مروّجہ موجودہ
ترتیب، نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے جیسا کہ اہلِ علم اس
امر سے واقف ہیں کہ غارِ حرا میں، قرآنِ مجید کا نزول، سورۂ اقرأ
سے شروع ہوا لیکن موجودہ ترتیب میں قرآنِ مجید اس سورۃ سے شروع
نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو آیات آخر میں نازل ہوئی تھیں موجودہ ترتیب
میں قرآنِ مجید اُن پر ختم نہیں ہوتا لیکن قرآن مجید بالکل مکمل ہے کوئی
لفظ کم یا زیادہ ہرگز نہیں ہے البتہ اعراب حجاج بن یوسف نے
لگائے ہیں اور اس رسوائے زمانہ ظالم سے کوئی خیر کی توقع نہیں
کی جاسکتی۔

جس زمانہ میں موجودہ ترتیب کو رائج کیا گیا تھا اُس دور میں بعض
اصحابِ رسولؐ کے پاس قرآنِ مجید کے ایسے مصاحف موجود تھے
جن کی ترتیب بھی وہی تھی جس ترتیب سے نزول ہوا تھا لیکن موجودہ
ترتیب کو رائج کرنے کے لئے، اُن موافقِ نزول ترتیب والے مصاحف
کا کیا بندوبست کیا گیا۔ یہ بات معلوم کرنے کے لئے حسبِ ذیل کتب
دیکھی جائیں:۔

(۱) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۲ کتاب فضائل القرآن
ص۹۹۰ و ص۹۹۱ حدیث ۲۰۹۶ (۲) مشکوٰۃ (اردو) مطبوعہ نور محمد
اصح المطابع کراچی جلد اوّل ص۴۷۳ (۳) الاتقان فی علوم القرآن سیوطی
(اردو) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی حصہ اوّل ص۱۴۹ (۴) صواعقِ محرقہ
ابنِ حجر مکی مطبوعہ بہیہ مصر ص۸۵،۸۶ (۵) تذکرۃ الکرام ص۲۳۷ (۶)

اُردو ترجمہ تاریخ اعثم کوفی مطبوعہ بمبئی ص۱۴۷ (۷) تحفۂ نذریہ مطبوعہ فاہ عام لاہور ص۵۵، ص۵۶ (۸) تاریخ الخمیس مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الثانی ص۳۰۴ سطر ۳۱ (۹) روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص۲۲۸ سطر ۲۵-۲۶ (۱۰) روضۃ الاحباب مطبوعہ انوارِ محمدی لکھنؤ، جلد ۲ ص۲۲۹ سطر ۳-۴ (۱۱) سیرت حضرت عثمان مصنفہ آغا رفیق بلند شہری مطبوعہ مقبولِ عام پریس لاہور ص۹۳ آخری سطر تا ص۹۴ پہلی سطر۔

واقعۂ دروازۂ سیّدہؑ

رواداری کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اِس واقعہ کے حالات لکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے شائقینِ تحقیق حضرات کے لئے

محض ایسے حوالے لکھنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے جن سے حالات معلوم ہوسکیں:-

(۱) الملل والنحل مصنفہ ابو الفتح عبد الکریم شہرستانی مطبوعہ بمبئی جلد اوّل ص۳۵ (۲) انساب الاشراف علّامہ بلاذری مطبوعہ دار المعارف مصر جلد اوّل ص۵۸۶ سطر ۳-۴ (۳) "الامامۃ والسیاسۃ" ابن قتیبہ مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۲۰ (۴) "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" علامہ ابن عبد البر مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد اوّل ص۳۴۵ (۵) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۱۷۴ پہلی سطر (۶) تاریخ ابو الفدا مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۱۵۶ (۷) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ عیسی البابی الحلبی مصر الجزء الثانی ص۴۵

ضروری نکتہ اگر مندرجہ بالا کُتُب دیکھنے کے بعد کوئی شخص شہادتِ محسنؑ کا اِنکار اِس شبہ کی بنا پر کرے کہ حضرت محسنؑ

کا نام اُن کی ولادت سے پہلے ہی کیونکر قرار پا گیا؟ تو شبہ کرنے والے
کو غور کرنا چاہیے کہ امام مہدی علیہ السلام کا اسمِ گرامی اُن کی ولادت
سے پہلے قرار پا گیا تھا اور پیغمبرِ اسلامؐ نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ خود حضرت
رسُولِ خداؐ کا اسمِ مبارک، آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے ہی حضرت
عیسیٰؑ نے "احمدؐ" بتا دیا تھا جیسا کہ بشارتِ عیسیٰؑ قرآن مجید میں موجُود
ہے۔ اِسی طرح حضرت یحییٰؑ کا اِسمِ گرامی بھی ملائکہؑ نے حضرتِ ذکریاؑ
کو فرزند کی بشارت دیتے ہوئے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؑ
کے تینوں فرزندوں کے اسمائے مبارک، حضرت رسُولِ خداؐ نے
پسرانِ ہارُونؑ (شبرؑ، شبیرؑ، مشبرؑ) کے اسماء کے مُطابق عربی زبان میں
حسنؑ، حسینؑ اور محسنؑ قرار دیئے تھے دیکھئے کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف
حیدر آباد دکن جلد ۶ صفحہ ۲۲۱ حدیث نمبر ۲۹۰۰۔

مسئلۂ جہاد

ہر مؤمن یہ تسلیم کرتا ہے کہ میدانِ جہاد میں قتل ہونے والا مؤمن
"شہید" اور اللہ کی راہ میں ثابت قدمی سے لڑ کر زندہ بچ رہنے والا
غازی اور مستحقِ ثوابِ عظیم ہوتا ہے۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہو
وہ میدانِ جہاد سے ہرگز فرار نہ ہو گا۔ کیونکہ اُسے اپنی جان سے زیادہ
خدا اور رسُولؐ کی محبّت ہوتی ہے لیکن جس کے دل میں ایمان نہ ہو،
اُسے خدا و رسُولؐ سے محبّت نہیں ہوتی بلکہ اپنی زندگی محبوب ہوتی
ہے وہی شخص میدانِ جنگ سے بھاگ سکتا ہے۔ میدانِ جہاد سے
بھاگنا ایمان کے خلاف اور بزدلی کی علامت ہے۔ لہٰذا جہاد سے
فرار ہر لحاظ سے مذموم ہے۔

غزوۂ اُحد

زمانۂ رسولؐ میں جنگِ اُحد ہوئی تو اُس وقت حضرت رسولِ خدؐا نے اپنے پچاس تیر انداز صحابیوں کو اُحد پہاڑ کے درّہ پر مقرّر فرما کر حکم دیا کہ جب تک میں حکم نہ دوں یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا لیکن حکمِ رسولؐ پر کیسا عمل ہوا؟ یہ بات حسب ذیل کتب دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے:-

(۱) "مدارج النبوۃ" شیخ عبدالحق محدّث دہلوی مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ ص۱۶۱ اور ص۱۶۲ سطر ۱۹ تا ۲۳ (۲) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اول جز سیوم ص۳۷ سطر ۲۹ (۳) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد حنبل جلد اوّل ص۴۲۹ سطر ۱۳ (۴) تفسیر ابنِ کثیر مطبوعہ مصر جلد پنجم ص۳۰۱ (۵) تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص۱۰۸ و ص۴۷ (۶) تفسیر دُرِ منثور سیوطی مطبوعہ مصر تفسیر سورۃ آلِ عمران جلد ۲ ص۸۹ (۷) تاریخ طبری مطبوعہ مطبعۃ الحسینیہ قاہرہ مصر جلد ۳ ص۲۱ (۸) "الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ انتشار پریس لاہور طبع پنجم ص۹۵، (۹) ازالۃ الخفاء ولی اللہ محدّث دہلوی (اردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی کراچی مقصد دوم ص۷۹ سطر ۴ اور مقصد دوم ص۲۸ (۱۰) نہایہ ابن اثیر مطبوعہ مطبعۃ العثمانیہ مصر الجزء الثالث ص۲۲۹ سطر ۱ (باب الواو مع القاف) (۱۱) "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" محبّ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۲۰۲ (۱۲) تاریخ الخمیس مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۴۸۵ سطر ۱۷۔ (۱۳) روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص۹۱ سطر ۲۵ (۱۴) روضۃ الاحباب مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ جلد اوّل ص۲۶۱ (۱۵) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۲ (کتاب المغازی) ص۵۴۲ روایت ۱۲۳۶

نوٹ:- اگر کسی پہلے جرم کی معافی دے کر عدالت ضمانت پر چھوڑ

دے اُس کے بعد وُہی شخص پھر ارتکابِ جُرم کرے تو سزا زیادہ سخت
دی جاتی ہے۔ اسی طرح میدانِ جہاد سے چلے جانے والوں کو اُحد
میں معافی دے دی گئی تھی لیکن معافی کے بعد اللہ نے قرآن مجید
میں یہ انتباہِ شدید بھی نازل فرما دیا تھا:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا
فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ
بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ○ قرآن مجید پارہ ۹ سورۃ الانفال) ترجمہ اشرف علی
تھانوی صاحب: "اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں)
دُوبدو مقابل ہو جاؤ تو اُن سے پُشت مت پھیرنا۔ اور جو شخص اُن

سے اِس موقع پر (مقابلہ کے وقت) پُشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے
لئے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وُہ مستثنیٰ ہے
باقی اور جو ایسا کرے گا وُہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا اور اُس کا
ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وُہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔"

قرآن مجید سُورۃ الانفال کے مندرجہ بالا فرمانِ قُدرت کی رُو سے
جہاد سے بھاگنے والے مغضوب علیہم اور جہنّمی قرار پائے لیکن اِس قدر شدید
انتباہ کے بعد خیبر اور حُنین میں کیا ہوا؟ یہ بات حسبِ ذیل کتب سے معلوم
ہو سکتی ہے:۔

خیبر "انوار اللغۃ" مصنفہ علامہ اہلحدیث وحید الزمان حیدر آبادی
مطبوعہ فیضِ عام بنگلور، پارہ ۲۲، ص۳۶ (۲) "سیرۃ النبی"
شبلی نعمانی مطبوعہ مکتبہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور حصّہ اوّل ص۲۸۶

(۳) ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" محب طبری مطبوعہ مصر ص۱۸۷ (۴)
"تاریخ الامم والملوک" طبری مطبوعہ مطبعۃ الحسینیہ قاہرہ مصر جلد ۳ ص۹۳
(۵) "روضۃ الصفا" مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص۱۳۹ (۶) "روضۃ الاحباب"
مطبوعہ انوارِ محمدی لکھنؤ جلد اوّل ص۳۸۵ (۷) منتخب کنز العمال برحاشیہ
مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص۴۵ سطر ۲ (۸) ازالۃ الخفاء ولی اللہ محدث
مطبوعہ نولکشور مقصد دوم ص۵۹ (۹) خصائص نسائی مترجم مطبوعہ محمدی
لاہور ص۱۲

نوٹ :۔ حدیث پیغمبرؐ کے الفاظ "کرار غیر فرار" منتخب کنز العمال اور
انوار اللغۃ وحید الزماں میں موجود ہیں۔ مزید دیکھئے روضۃ الاحباب
جمال الدین محدث مطبوعہ تیغ بہادر امین آباد جلد اوّل ص۳۸۵

غزوۂ حُنین | اس مقام پر یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ

بیعتِ رضوان" جنگِ حُنین سے پہلے ہو چکی تھی جس میں یہ عہد لیا گیا تھا
کہ جہاد سے آئندہ کبھی نہ بھاگیں گے"۔ جیسا کہ "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب"
علامہ ابن عبد البر مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد اوّل خطبۃ الکتاب ص۳ سطر
۱۰۔۱۱ میں حضرت جابرؓ (صحابیٔ رسولؐ) کی روایت موجود ہے کہ ہم نے
اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم کبھی نہ بھاگیں گے۔ مزید دیکھئے :۔
مسند امام احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص۳۸۱ سطر ۷۔۸، اور
ص۳۹۶ سطر ۹۔۱۰ (مسند جابر بن عبد اللہ) قرآن بھی اس کی شہادت
دیتا ہے جیسا کہ پارہ ۲۱ سورۂ احزاب میں اللہ فرماتا ہے :۔
"وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْاَدْبَارَ
وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا" ترجمہ اشرف علی تھانوی صاحب
"حالانکہ یہی لوگ پہلے، خدا سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور

اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اُس کی باز پُرس ہو گی"

چونکہ جہاد سے کبھی نہ بھاگنے کا عہد "بیعتِ رضوان" میں درخت کے نیچے ہوا تھا اِسی لیے اُس کو "بیعت الشجرہ" یعنی "درخت والی بیعت" کہتے ہیں۔ اِسی وجہ سے جنگِ حُنین میں حضرت عباسؑ نے "یا اَصحاب الشجرہ" یعنی "اے اُس درخت والے اصحاب" کہہ کر آواز دی تھی یہ تفسیر حسینی علامہ واعظ کاشفی (یا اُردو ترجمہ حُسینی یعنی تفسیر قادری) میں ملاحظہ فرمائیں۔ اَور جنگِ حُنین کا پُورا حال معلوم کرنے کے لیے حسب ذیل کُتُب دیکھیے :۔

(۱) تفسیرِ حُسینی (فارسی) مطبُوعہ نولکشور جلد اوّل صـ۲۳۴ یا تفسیر قادری (اُردو ترجمہ تفسیر حسینی) پارہ ۱۰ سُورہ توبہ آیت "وَيَوْمَ حُنَيْنٍ الخ" کی تفسیر (۲) روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی جلد ۲ صـ۱۵۴ (۳) تاریخ حبیب السیر" مطبوعہ بمبئی جلد سوم صـ۶۵ سطر ۴ (۴) "تاریخ الخمیس" مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر الجزء الثانی صـ۱۱۳ سطر ۹ (۵) "روضۃ الاحباب" جمال الدین محدّث مطبُوعہ انوارِ محمّدی لکھنؤ جلد اوّل صـ۴۵۰ (۶) "معارج النبوۃ" معین کاشفی مطبوعہ نولکشور جلد ثانی رکن چہارم صـ۲۵۶

جنگِ حُنین کا حال قُرآن مجید میں خُود اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے یُوں بیان فرمایا ہے :۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ" ترجمہ اشرف علی تھانوی صاحب :۔

"اور حنین کے دن جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرّہ ہو گیا تھا پھر وُہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی

سے تنگی کرنے لگی پھر آخر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔" (دیکھئے قرآن مجید مترجم اشرف علی تھانوی صاحب پارہ ۱۰، سورۃ توبہ رکوع نمبر ۹)

نکتہ | قرآن مجید پارہ ۹ سورۃ الانفال میں اللہ تعالٰے نے جہاد سے بھاگنے والوں کو مغضوب علیہم اور جہنمی قرار دیا ہے اور

سورۃ فاتحہ (یعنی سورۃ الحمد) میں بتا دیا ہے کہ مغضوب علیہم کا راستہ صراطِ مستقیم نہیں ہے جیسا کہ فرمایا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ "یعنی (صراطِ مستقیم) اُن کا راستہ ہے جن پر اللہ کی (خاص) نعمت ہوئی، اُن کا نہیں جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔" لہذا جہاد سے بھاگنے والے لوگ لائق اتباع دینی پیشوا ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ وُہ خود صراطِ مستقیم پر نہیں، اِس لئے بیعت لینے کا استحقاق نہیں رکھتے خیال رہے کہ بُزدلی بُری صفت ہے

قابلِ غور امر یہ ہے کہ وُہ صفات جو معیارِ استحقاقِ بیعت ہیں اُن میں بُزدلی کو کسی نے بھی شمار نہیں کیا۔ لہٰذا بُزدل کو بیعت لینے کا کوئی حق نہیں۔

حدیثِ قرطاس

حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کی درگاہ کے سجّادہ نشین شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف محرم نامہ[1] کے صہ۱۱ پر یُوں تحریر فرماتے ہیں :-

"اِسی بیماری کے زمانہ میں ایک دن بہت سے لوگ حضرت صلعم کے پاس جمع تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا" لاؤ کاغذ میں تم کو کچھ لکھ دُوں تاکہ

[1] محرّم نامہ گیارھواں اڈیشن مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی کا صہ۱۱ دیکھئے۔

تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ فرمایا تم جھگڑا نہ کرو۔

یہ سُن کر ... بولے حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر بُخار کی تکلیف کا غلبہ ہے اس کے سبب ایسا فرماتے ہیں وصیّت نامے کی کچھ ضرورت نہیں ہم کو خُدا کی کتاب کافی ہے۔"

نُکتہ ۱: حضرت محمد مصطفےٰ فخرِ مسیحؑ ہیں۔ جب حضرت عیسیٰؑ اذنِ خُدا سے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست کر سکتے تھے۔ تو حضرت عیسیٰؑ کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ کی شان اِس عیب سے پاک ہے کہ (معاذ اللہ) بُخار کی تکلیف سے مغلوب ہو جائیں۔

نُکتہ ۲: رسولِ خُدا معصُوم ہیں۔ اُنؐ کے نزدیک نوشتہ کی ضرورت

"محرّم نامہ" کی عبارت میں اِس جگہ ایک شخص کا نام موجود ہے وہیں دیکھ لیں۔

تھی تبھی تو فرمایا لیکن غیر معصُوم اُمّتی نے کہا "کچھ ضرورت نہیں" اُس کا یہ کہنا حکمِ رسُولؐ کی مخالفت ہے یا نہیں؟ جبکہ رسُول خُدا بُخار سے مغلوب ہو کر غلط حُکم دینے سے قطعاً پاک اور معصوم ہیں۔

نوٹ:۔ محرّم نامہ کے ص۱۱ پر خواجہ حسن نظامی صاحب نے حدیثِ قرطاس بُخاری و مُسلم سے نقل کی ہے۔ جیسا کہ خواجہ صاحب نے حاشیہ میں حوالہ دیا ہے لیکن اطمینان کے لئے حسب ذیل کتبِ اہلِ سنّۃ والجماعت ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) صحیح بُخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد اوّل پارہ اوّل کتاب العِلم باب کتابۃ العِلم ص۱۳۴ و ص۱۳۵ حدیث ۱۱۴ (۲) صحیح بُخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد دوم پارہ ۱۸ کتاب المغازی باب مرض النبی صلعم و وفاتہ ص۶۹۶ حدیث ۱۵۵۸ (۳) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ

سعیدی کراچی جلد سوم پارہ ۳۰ کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الخلاف ص ۸۴۲ تا ص ۸۴۳، حدیث ۲۲۲۱ (۴) صحیح مسلم (عربی) مطبوعہ مطبعہ محمد علی صبیح میدان الازہر مصر الجزء الخامس کتاب الوصیۃ ص ۷۶ سطر ۵ تا ۱۵ (۵) فتح الباری شرح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الخیریۃ قاہرہ مصر ۱۳۱۹ھ الجزء الاول باب کتابۃ العلم برحاشیہ ص ۱۴۹ اور الجزء الثامن باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ ص ۱۰۱ (۶) مکتوبات شیخ احمد سرہندی المشہور مجدد الف ثانی مطبوعہ احمدی دہلی جلد ثانی مکتوب سی و ششم (۳۶) ص ۶۱ و ص ۶۲ (۷) "الشفاء" قاضی عیاض مطبوعہ صدیقی بریلی ص ۳۰۸ سطر ۱۲، اور مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور الجزء الثانی ص ۲۷۳ تا ص ۲۷۵ (۸) "نسیم الریاض" (شرح الشفاء قاضی عیاض مالکی) از علامہ خفاجی مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ

مصر الجزء الرابع ص ۲۷۸ سطر ۲۲ تا ۲۵ (۹) "شرح الشفاء" علی قاری مطبوعہ برحاشیہ نسیم الریاض مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر الجزء الرابع ص ۲۷۸ حاشیہ کی سطر ۲۴-۲۵ (۱۰) "مدارج النبوۃ" شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ نولکشور کانپور ص ۵۴۲ (۱۱) "سر العالمین و کشف ما فی الدارین" مصنفہ امام غزالی مطبوعہ ممبئی مقالہ رابعہ ص ۹ (۱۲) "حبیب السیر" مطبوعہ ممبئی جلد اوّل ص ۷۹ (۱۳) "الفاروق" شبلی نعمانی مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ حصہ اوّل ص ۶۰

علامہ شبلی نعمانی کے عُذر

"الفارُوق" میں علامہ شبلی نے رسُولِ خدا کی حدیثِ قرطاس کو مع متعلقہ واقعات لِکھنے اور "ھجر" کا معنیٰ "ہذیان" تسلیم کرنے کے بعد صحیح بخاری کی روایتِ عبداللہ بن عباس رض کے بارے میں چند عُذر تحریر فرمائے

اور پھر روایت کا سرے ہی سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ علامہ موصوف
کا کوئی بھی عذر ایسا نہیں جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت حدیث
قرطاس کو موضوع ثابت کر سکے۔

صحیح بخاری کی روایتِ ابنِ عباسؓ (صحابیٔ رسولؐ) کے متعلق
علامہ شبلی نعمانی نے جتنے عذر کئے ہیں اُن میں سے صرف یہ تین قابلِ
غور ہیں:-

۱۔ عبداللہ بن عباسؓ اُس وقت موجود ہی نہ تھے۔

۲۔ عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

۳۔ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود
اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں
۷ طریقوں سے مذکور ہے۔ بایں ہمہ بجز عبداللہ ابن عباسؓ اور کسی

صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

جوابِ عذر ۱ علامہ شبلی کو ابنِ عباسؓ کی غیر موجودگی کا خود یقین
نہ تھا ورنہ ابنِ عباسؓ کی عمر کا عذر پیش کرنے
کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے اور کم از کم یہی لکھ دیتے کہ ابنِ عباسؓ
اُس وقت آخر تھے کہاں؟

علامہ شبلی نعمانی نے حضرت ابنِ عباسؓ کی غیر موجودگی کا من گھڑت
عذر تحریر کر کے فتح الباری باب کتابۃ العلم کا حوالہ لکھ دیا جو بالکل غلط
نکلا کیونکہ فتح الباری کے باب کتابۃ العلم میں کسی بھی جگہ یہ لکھا ہوا
نہیں ہے کہ واقعۂ قرطاس کے وقت عبداللہ بن عباسؓ موجود نہیں
تھے بلکہ عبداللہ بن عباسؓ کے بیٹے عبیداللہ کے متعلق یہ لکھا ہے:-

لان عبید اللہ تابعی من الطبقۃ الثانیہ لم یدرک

القصه فی وقتها لانه ولد بعد النبی صلی اللہ علیه
وسلم ثم سمعها من ابن عباس بعد ذلك بمدة
اخری واللہ اعلم" (یہ عبارت فتح الباری شرح صحیح بخاری
مطبوعہ مطبعۃ الخیریہ قاہرہ مصر ۱۳۱۹ھ الجزء الاوّل کتاب العلم
باب کتابۃ العلم صفحہ ۱۵۰ سے نقل کی گئی ہے)

مفہومِ عبارتِ فتح الباری: "اِس وجہ سے کہ عبید اللہ تابعی
ہیں طبقۂ ثانیہ سے اُنہوں نے اِس قصہ (قرطاس) کو اُس کے وقتِ
(وقوع) پر نہیں دیکھا تھا کیونکہ وُہ نبی صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم کے
بعد پیدا ہوئے تھے۔ پھر اُنہوں نے اِس (ولادت) کے (بھی) کافی
عرصہ بعد اِس (واقعۂ قرطاس) کو ابنِ عباسؓ سے سُنا تھا واللہ اعلم۔"
اب غور فرمایئے کہ فتح الباری باب کتابۃ العلم میں تو عبید اللہ تابعی

کے متعلق لکھا ہے کہ وہ واقعۂ قرطاس کے وقت موجود نہ تھے لیکن شمس العلماء
شبلی نعمانی فتح الباری کا حوالہ دے کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عبید اللہ
تابعی کے والد حضرت عبد اللہ بن عبّاسؓ (صحابی) اُس وقت موجود نہ
تھے۔ چہ خُوب!

فتح الباری باب کتابۃ العلم ہی کی عبارت نے ثابت کر دیا کہ علّامہ
شبلی نعمانی کا پیش کردہ عُذر قطعاً بے دلیل اور من گھڑت ہے۔ بے ثبوت
دعویٰ یہ نہیں ثابت کر سکتا کہ عبد اللہ بن عباسؓ واقعۂ قرطاس کے
وقت موجود نہ تھے۔ جب کہ روایتِ بخاری و مسلم ہی سے ثابت ہے
کہ موجود تھے اور فتح الباری میں "ثم سمعها من ابن عبّاس"
کے الفاظ سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عبّاسؓ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔

جوابِ عُذر ۲ | علّامہ شبلی نعمانی کا یہ عُذر کہ ابن عباسؓ کی عمر

اُس وقت ۱۳-۱۴ برس کی تھی" محض کج بحثی کی دلیل اَور غلط عذر ہے
کیونکہ عرب میں لڑکی ۹ سال کی عمر میں اور لڑکے ۱۲ سال کی عمر میں بالغ
ہوجاتے ہیں جب علاّمہ شبلی نے خود ہی تسلیم کرلیا کہ حضرت ابنِ عباسؓ
کی عمر اس وقت ۱۳-۱۴ برس تھی تو ثابت ہوگیا کہ حضرت ابنِ عباسؓ
اُس وقت بالغ، صاحبِ فہم و تمیز اور ذی شعور تھے۔ لہٰذا اُن کی عمر
روایت کے لیئے موزُوں تھی۔

علاوہ ازیں محدّثین نے حضرت امام حسنؑ کی روایات کو قبول کیا۔
حالانکہ وفاتِ پیغمبرؐ کے وقت امام حسنؑ کا سنِ مبارک ۷-۸ سال تھا
دیکھیئے کتاب "شہیدِ کربلا اَور یزید" مصنّفہ حافظ قاری محمد طیّب صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند ص۳۹ اَور اِسی کتاب کے ص۲۴ پر مہتمم دارالعلوم
دیوبند نے لکھا ہے کہ "حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ روایات موثق

مانی گئی ہیں"۔ پھر اسی کتاب "شہیدِ کربلا اور یزید" میں ص۲۸ پر کفایت الخطیب
کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ "صغیر سن صحابہ کی روایات معتبر ہیں"۔
پھر ص۲۸ پر یُوں تحریر فرمایا ہے :- "یہ واضح ہوا کہ کمسن صحابہ کی روایت
کا معتبر ہونا ایسا مسلّمات اَور بدیہیّاتِ فن میں سے ہے کہ وُہ بحث
ہی میں نہیں آسکتا"۔ لیکن علاّمہ شبلی نعمانی بحث فرما رہے ہیں حالانکہ
حضرت ابنِ عبّاسؓ واقعۂ قرطاس کے وقت بالغ تھے۔ لہٰذا علاّمہ شبلی
کا عُذر درست نہیں۔

جواب عُذر ۳ علاّمہ شبلی نعمانی کا یہ عُذر کہ "بجز عبداللہ ابن عبّاسؓ
اَور کسی صحابی سے اِس واقعہ کے متعلق ایک حرف
بھی منقول نہیں"۔ ایسا عُذر ہے جس سے روایتِ صحابیٔ رسُولؐ عبداللہ
ابنِ عباسؓ کی نفی نہیں ہوتی یعنی کسی اَور صحابی کی روایت ہو یا نہ ہو

عبداللہ ابن عباسؓ کی صحیح روایت تو موجود ہے۔ اُس کا کیا جواب ہے؟
جب کہ علامہ شبلی نعمانی نے اِس حدیث کو اُصولِ حدیث کی رُو سے موضوع
ثابت نہیں کیا اور محدثینِ اہلِ سنۃ والجماعۃ اِس حدیث کو صحیح تسلیم
کرتے آئے ہیں چنانچہ اِمام بخاری نے اِس حدیث کو ایسی صحیح حدیث
تسلیم کیا کہ اپنی "صحیح" میں ۷ طریقوں (یعنی راویوں کے ۷ سلسلوں) سے
نقل کیا۔ اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسے نقل کیا۔ اور بخاری و مسلم
دونوں میں موجود ہونے کی وجہ سے یہ حدیث اُصولِ حدیث اہلِ سُنۃ
والجماعۃ کی رُو سے "متفق علیہ" ہے لہٰذا اُصولِ حدیث کے مطابق حضرت
عبداللہ بن عباسؓ کی روایت صحیح ہے جس سے واقعۂ قرطاس قطعاً
ثابت ہے۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کی تائید ابنِ

عباسؓ اور "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والے شخص کے درمیان ہونے والے ان مکالمات
سے بھی ہوتی ہے۔ جو اہلِ سنۃ والجماعۃ کی کتاب تاریخ بغداد سے شرح
نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی میں نقل کئے گئے ہیں جن میں "حسبنا کتاب اللہ"
کہنے والے نے واقعۂ قرطاس کو یہ کہہ کر خود تسلیم کیا ہے کہ "رسولِ خداؐ نے
لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن میں نے روک دیا" (دیکھئے شرح نہج البلاغہ
ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ مطبعۃ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ الجلد الثالث
صـ۹۷ سطر ۲۰-۲۱، اور صـ۱۱۴ سطر ۲ تا ۲۸)

نوٹ:۔ خیال رہے کہ علامہ ابنِ ابی الحدید بھی شیعہ نہیں تھے بلکہ
"چار خلیفوں" کو ماننے والے معتزلی تھے۔

اور صحابی کی روایت

واقعۂ قرطاس خود اُس کی روایت سے
بھی ثابت ہے جس نے "حسبنا کتاب اللہ"

کہا تھا اُس شخص کی روایت حدیثِ قرطاس کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۱۲ھ الجزء الثالث حدیث نمبر ۲۲۳۲ صفحہ ۳۸، اور الجزء الرابع صفحہ ۵۲ حدیث نمبر ۱۰۸۸ ایں موجود ہے۔ لہٰذا علامہ شبلی نعمانی کا یہ عذر کہ "اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں" ہرگز درست نہیں۔ بلکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح روایت کی تائید کنز العمال کی روایت سے بھی ہوگئی۔ پھر واقعۂ قرطاس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، امام غزالی، علامہ خفاجی، قاضی عیاض اور شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی جیسے بزرگانِ اہلِ سنۃ والجماعۃ بھی روایت عبداللہ بن عباسؓ کا انکار نہ کرسکے بلکہ واقعۂ قرطاس کو تسلیم کرتے رہے۔ جیسا کہ اُن کی کُتب

کے حوالے پیچھے نقل کئے گئے۔ پھر علامہ شبلی کا عُذر کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔

مسئلہ فدک

وراثتِ انبیاءؑ — قرآن مجید پارہ نمبر ۵ سورۂ نساء میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ"

ترجمہ عبدالقادر محدث دہلوی:۔ "اور ٹھہرا دیئے ہم نے ہر کسی کے وارث اُس مال میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابتی"۔

نکتہ — ۱۔ قرآنِ مجید کا حکم "ہر کسی کے وارث" حکمِ عام ہے۔ انبیاءؑ کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

۲۔ قرآنِ مجید پارہ نمبر ۱۹ سورۃ النّمل میں اللہ فرماتا ہے :۔ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَ "ترجمہ :۔ "اور وارث ہوئے سلیمانؑ داؤدؑ کے"
حضرت سلیمانؑ اور اُن کے والد حضرت داؤدؑ دونوں نبی ہیں ۔لہٰذا نبی کا وارث قرآن سے ثابت ہوا لیکن غیر شیعہ حضرات یہ عُذر کرتے ہیں کہ یہ وراثتِ علم ہے وراثتِ مال نہیں لیکن اُن کا یہ عُذر، تفسیرِ قرآنِ مجید کی اُنہی لوگوں کی کُتُب سے غلط ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ تفسیرِ کبیر امام فخرالدین رازی مطبوعہ مصر جلد ششم ص۵۵۷ اور تفسیر معالم التنزیل ابوالفراء بغوی مطبوعہ مصر ص۵۶۵ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو ورثہ میں ایک ہزار گھوڑے ملے ۔لہٰذا وراثتِ مال ثابت ہو گئی ۔

۳۔ قرآنِ مجید پارہ نمبر ۱۶ سورۃ مریم میں اللہ ذکر فرماتا ہے کہ حضرت ذکریاؑ نے یُوں دُعا کی :۔

"وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِیْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝" ترجمہ رفیع الدین محدّث دہلوی
"اور تحقیق میں ڈرتا ہُوں وارثوں اپنے سے پیچھے میرے اور ہے عورت میری بانجھ پس بخش دے تُو واسطے میرے اپنے پاس سے ولی کہ وارث ہو اولادِ یعقوبؑ کا اور کردے اس کو اے رب میرے پسندیدہ"

نکتہ جب تک اللہ سبحانہ، وتعالیٰ علم عطا نہ فرمائے اور خود منتخب نہ کرے اُس وقت تک کوئی علمِ نبوّت کا وارث نہیں ہوسکتا اور جسے اللہ منتخب فرما کر علمِ نبوّت عطا فرما دے اُس سے چھین لینے کی کوئی وجہ نہیں ۔لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت ذکریاؑ کو اپنے پیچھے عزیز وارثوں" کا خوف تھا۔ وُہ علمِ نبوّت کے وارث تو ہو ہی نہیں سکتے تھے بلکہ مال

کے وارث ہوتے لیکن حضرتِ ذکریاؑ نے اِسے پسند نہ فرمایا کہ دُوسرے رشتہ دار وارث ہو جائیں اور آپؑ اولاد سے محروم ہی رہ جائیں اِسی لئے مال کا وارث اللہ سے مانگ لیا۔ اَور حضرتِ ذکریاؑ کا یہ منشاء اور آرزُو فطرت کے خلاف نہیں۔ وارث (اولاد) کی خواہش کرنا معیوب نہیں ہے۔

نکتہ ۲ اگر صرف علمِ نبوّت کا وارث مانگنا حضرتِ ذکریاؑ کا مقصود ہوتا تو یہی کہہ دینا کافی ہوتا کہ "میرا وارث ہو"۔ یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ "اولادِ یعقوبؑ کا بھی وارث ہو"۔ کیونکہ یعقوبؑ کی ساری اولاد کے پاس تو علمِ نبوّت نہیں تھا بلکہ (انبیاءؑ کو مستثنیٰ تسلیم کرتے ہوئے) برادرانِ یوسفؑ بھی تو یعقوبؑ کی اولاد تھے۔ جو نہ تو نبی تھے نہ اُن کے پاس علمِ نبوّت تھا۔ ورنہ یُوسفؑ کو کنوئیں میں

کیوں پھینکتے؟ اَور یعقوبؑ سے یہ جھوٹ کیوں بولتے کہ "یُوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا" (معاذ اللہ) اگر علمِ نبوّت اُن کے پاس ہوتا تو وُہ اس بات سے ضرور واقف ہوتے کہ اللہ نے انبیاءؑ کے جسموں کو درندوں پر حرام قرار دیا ہے۔ وُہ انبیاءؑ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لہٰذا حضرتِ ذکریاؑ کا بارگاہِ ایزدی میں یہ عرض کرنا کہ "میرا وارث ہو اَور اولادِ یعقوبؑ کا وارث ہو" وراثتِ مال ہی کے لئے تھا۔ "علمِ نبوّت" کی وراثت کے لئے نہیں۔

نکتہ ۳ حضرتِ ذکریاؑ کی منقولہ بالا دُعا میں دُو سوال کئے گئے۔ ایک یہ کہ "میرا وارث ہو اَور اولادِ یعقوبؑ کا وارث ہو"۔ اَور دُوسرا یہ ہے کہ اُس وارث کو پسندیدہ بھی کر دے"۔

ظاہر ہے کہ جسے اللہ علمِ نبوّت کا وارث بنائے گا وُہ تو ہوگا ہی پسندیدہ۔ اُس کے لئے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ "اُس کو پسندیدہ

کردے"۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرتِ ذکریاؑ نے وارث تو مال ہی کا مانگا تھا لیکن "اُس کو پسندیدہ کردے" کہہ کر اُس کے لئے بھی دُعا کی تاکہ حضرتِ ذکریاؑ کے اَموال کو جائز جگہ خرچ کرے اَور تبرّکاتِ انبیاؑ کی حفاظت بھی کرے۔

نکتہ ۲ یہ دُعا حضرتِ ذکریاؑ نے مالِ دُنیا کی محبّت میں نہیں کی۔ بلکہ "وارثوں" کے خوف سے کی تاکہ اُن "وارثوں" کو نبیؑ کے مال کو ناجائز مقاصد پر ضائع کرنے کا موقع نہ ملے۔ اور مالِ ذکریاؑ میں جو تبرّکاتِ انبیاؑ رکھے وُہ بھی ضائع ہونے یا بےحُرمتی سے محفوظ رہیں

۴ پیغمبرِ اسلامؐ خُود وارث ہُوئے "فتح الباری" شرح صحیح بخاری مصنّفہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الخیریہ قاہرہ مصر جلد ۳ صفحہ ۳۶ و صفحہ ۳۶۱

اَور سیرتِ حلبیہ مطبوعہ مصرِ جلد اوّل صفحہ ۵۶ اَور جلد ۳ صفحہ ۳۵۵ سے ثابت ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ کو حضرت ہاشمؑ کا مکان ورثہ میں ملا۔ اَور "ماثور" نامی تلوار، بکریاں اور پانچ اُونٹ بھی رسُولؐ کو ورثہ میں ملے مزید دیکھئے انساب الاشراف مصنّفہ احمد بن یحیٰی المعرُوف بلاذری مطبوعہ دارالمعارف مِصر جلد اوّل صفحہ ۹۶ سطر ۱۰-۱۱

ایک عُذر کا جواب اگر یہ کہا جائے کہ جب رسُولؐ کو ورثہ ملا اُس وقت (معاذاللہ) حضورؐ نبی نہ تھے تو یہ غلط ہے کیونکہ حدیث پیغمبرؐ ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدمؑ پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ اَور "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" صفحہ ۱۴ تا ۱۸ میں اشرف علی تھانوی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار سال پہلے میرا نُور پیدا ہوا۔

نکتہ جب قرآنِ مجید کی آیاتِ مقدسہ اور کتبِ تفسیر و حدیث سے ثابت ہوگیا کہ انبیاءؑ میں وراثتِ مال جاری رہی پھر روایت "لانرث ولا نورث" یعنی "نہ ہمارا کوئی وارث نہ ہم کسی کے وارث" قرآنِ مجید کے خلاف ہوئی۔ لہٰذا موضوع ثابت ہوگئی کیونکہ فرمانِ رسولؐ ہے کہ ایسا کوئی قول و فعل جو قرآن کے خلاف ہو اور میری طرف منسوب کیا جائے۔ اُسے دیوار سے دے مارو۔ وُہ ہرگز میری حدیث نہیں ہوگی۔"

فدک رسولؐ کا ذاتی مال تھا قرآنِ مجید پارہ نمبر ۲۸ سورۃ حشر میں اللہ ذوالفضل العظیم فرماتا ہے:۔ "وَمَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ

رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۝"

ترجمہ اشرف علی تھانوی صاحب:۔ "اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسولؐ کو اُن سے دلوایا سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ لیکن اللہ تعالیٰ (کی عادت ہے) کہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلّط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔"

قرآنِ مجید کی مندرجہ بالا آیۂ مبارکہ کی رُو سے فدک اور دیگر اموالِ فئے اللہ نے اپنی قدرت سے اپنے رسولؐ کو دلوائے تھے۔ اور مسلمانوں کو فرما دیا کہ "تم نے اُس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ"۔ تاکہ فدک اور دیگر اموالِ فئے کو عوام کا مال نہ سمجھا جائے اور مسلمان عوام فدک وغیرہ پر اپنا حق جتلانے سے باز رہیں لہٰذا

ثابت ہوا کہ فدک رسولِ خداؐ کا ذاتی مملوک تھا۔ اس امر کا مزید ثبوت
حسبِ ذیل کتبِ اہلِ سنۃ والجماعۃ میں دیکھیئے :-

۱۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب الخمس اور باب المیراث
(۲) سیرت ابنِ ہشام مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی و اولادہٖ مصر
۱۳۵۵ھ جزء الثالث ص ۳۶۸ (۳) "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" علامہ
نورالدین سمہودی شافعی مطبوعہ مصر ص ۱۵۹ آخری سطر اور ص ۲۵۵ سطر
تا ۷ (۴) "فتوح البلدان" علامہ بلاذری مطبوعہ لیڈن فرانس (مع فرانسیسی
ترجمہ) باب ۵ ص ۲۹ اور ص ۳۰ (۵) تاریخ طبری مطبوعہ مصر الجزء الثالث
ص ۹۵ (۶) تاریخ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۸۵ سطر ۳۔

ہبہ نامۂ فدک

اگر باغِ فدک رسولؐ کا ذاتی مال نہ ہوتا اور عوام کا مال ہوتا تو حضرت رسولِ خداؐ، فدک حضرت

فاطمۃ الزہراؑ کو ہرگز ہبہ نہ فرماتے لیکن معصوم رسولؐ نے حضرت فاطمۃ الزہراؑ
کو فدک ہبہ فرما دیا تھا اور وثیقۂ ہبہ سیدۂ طاہرہ کو دے دیا تھا۔ لہٰذا
ثابت ہوا کہ فدک پیغمبرؐ کا مملوکۂ ذاتی تھا۔ ہبہ اور وثیقۂ ہبہ کا ثبوت حسب
ذیل کتبِ اہلِ سنۃ والجماعۃ میں موجود ہے :-

۱۔ تفسیر "درِ منثور" امام جلال الدین سیوطی مطبوعہ مصر تفسیر سورۂ بنی اسرائیل
آیۂ مبارکہ "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ" کی تفسیر میں باسنادِ صحابیِ رسولؐ
حضرت ابو سعید خدری (۲) صواعقِ محرقہ امام ابنِ حجر مکی مطبوعہ مصر
باب ۱۵ ص ۲۱-۲۲ (۳) شرح مواقف مطبوعہ نولکشور ص ۷۳۵ (۴)
"وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" علامہ سمہودی شافعی مطبوعہ مصر الجزء الثانی
باب ۶ ص ۱۶۱ سطر ۷ تا ۲۰، اور ص ۱۶۰ سطر ۱۴-۱۵ (۵) فتاویٰ عزیزی
مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۴۳ (۶) روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص ۱۳۵

سطر ۱۹ تا ۲۲ (۷) حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اوّل ص ۱۵ (۸) "معارج النبوۃ" معین کاشفی مطبوعہ نولکشور رکن چہارم ص ۲۲۱

نوٹ:۔ حضرت فاطمہؑ نے فدک پر اپنا حق ثابت کرنے کے لئے رسولؐ کا دیا ہوا وثیقۂ ہبہ دکھایا تھا اَور حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت اُمّ کلثومؑ بنتِ علیؑ اور حضرت اُمّ ایمنؓ نے یہ شہادت دی کہ واقعی ہبہ کا یہ وثیقہ رسولؐ نے دیا تھا اَور باغ فدک ہبہ کیا تھا لیکن اِن ہستیوں کی شہادت اَور وثیقۂ رسولؐ کو ردّ کر دیا گیا۔ (افسوس) دیکھئے وفا الوفا سمہودی شافعی مطبوعہ مصر الجزء الثانی ب ۶ ص ۱۶۱ اَور دیگر کُتب مندرجہ بالا۔

دعوٰی وراثت

بعد ازاں حضرت خاتونِ جنّتؑ نے "وراثت" کا دعوٰی فرمایا دیکھئے تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری

مطبوعہ مطبع احمدی لاہور کتاب المغازی باب الخمس پارہ نمبر ۱۲ ص ۱۸۱، پارہ ۱۷ ص ۲۱ لیکن حضرت فاطمہ زہراؑ کے دعوٰی وراثت کے جواب میں یہ نہیں کہا گیا کہ "فدک تو رسولؐ کی ذاتی ملکیت ہی نہیں تھا، عوام کا مال تھا پھر آپ کیوں دعوٰی کرتی ہیں"۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ وُہ اہلِ حکومت بھی ملکیتِ پیغمبرؐ کا انکار نہ کرتے تھے۔ پھر جب قرآنِ مجید سے ثابت ہو چکا کہ قانونِ وراثتِ مالِ انبیاؑ میں بھی جاری رہا۔ اَور روایت "لا نورث ولا نورث" موضوع ثابت ہو کر "لاوارث" ہو گئی۔ تو اِس امر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ رسولِ خداؐ کی محبوب بیٹیؑ، خاتونِ جنّت سیّدہ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حق پر تھیں اَور مخدومۂ کونین کا دعوٰی ہبہ بھی سچا تھا اَور دعوٰی وراثت بھی مبنی بر حق و صداقت تھا۔ خیال رہے کہ حضرتِ فاطمہؑ قرآنِ مجید کی آیۂ تطہیر کی رُو سے طاہرہ ہیں۔ لہٰذا اُن کے متعلق یہ وہم

کرنا کہ معاذ اللہ انہوں نے جھوٹا دعویٰ کیا ایمان کے خلاف ہوگا ایسی طاہرہ
اور مقدس ہستی (کہ جس کی تعظیم میں خود رسولِ خدا کھڑے ہو جاتے تھے)
کے متعلق یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ حکمِ رسولؐ کو تسلیم نہ کریں (معاذ اللہ)
حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ زہراؑ نے روایتِ "لانرث ولا نورث" کو
فرمودۂ رسولؐ ہی تسلیم نہیں کیا اور اس بات پر غضب ناک ہوئیں کہ نہ تو
وثیقۂ رسولؐ کا احترام کیا گیا اور نہ ہی قرآنِ مجید کے قانون پر عمل ہوا۔
اور قرآن کے خلاف بات کو فرمودۂ پیغمبرؐ بھی کہہ دیا گیا (افسوس)

کیا حضرتِ سیدہؑ وقتِ وفات راضی نہیں؟

ثبوت کے لیے حسبِ ذیل کُتُبِ اہلِ سنۃ والجماعۃ ملاحظہ فرمائیے:-
(۱) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ" مصنفہ علامہ نورالدین سمہودی شافعی

مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ (۲) مشکل الآثار طحاوی مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد
اوّل صفحہ ۴۸ (۳) تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ احمدی لاہور
کتاب المغازی باب الخمس پ ۱۲ صفحہ ۱۲، ۱۸ ، پ ۱۷ صفحہ ۲۱ (۴) ترجمہ
صحیح مسلم مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی جلد پنجم کتاب الجہاد والسیر صفحہ ۲۵
(۵) رویائے صادقہ شمس العلماء نذیر احمد، فصل نمبر ۱۴ (۶) روضۃ الاحباب
جمال الدین محدث جلد ۱ صفحہ ۲۳۴ (۷) "الامامۃ والسیاسۃ" مصنفہ ابنِ قتیبہ
دینوری مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵ (۸) استیعاب ابن عبد البر مطبوعہ برحاشیہ اصابہ
ابنِ حجر جلد ۴ صفحہ ۳۷۹ (۹) ازالۃ الخفاء ولی اللہ محدث (اُردو ترجمہ)
مطبوعہ سعیدی کراچی مقصدِ دوم صفحہ ۵۷ سطر ۱ تا ۶، اور سطر ۲۱ تا ۲۴ -
(۱۰) براہینِ قاطعہ فارسی ترجمہ صواعقِ محرقہ ابنِ حجر مکی مطبوعہ نولکشور
صفحہ ۲۱ (۱۱) "اشعۃ اللمعات" شیخ عبد الحق محدث دہلوی مطبوعہ نولکشور

جلد ۳ صـ ۴۸ باب الفئۃ (۱۲) "الزہراء" مصنّفہ عمر ابو النصر (اُردو ترجمہ محمد احمد پانی پتی) مطبُوعہ مکتبۂ جدید لاہور صـ ۸۹ تا صـ ۹۱ ۔

نوٹ :۔ مندرجہ بالا کُتُب دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہراؑ تا وفات غضب ناک ہی رہیں ۔ یہاں تک کہ وصیّت فرما گئیں کہ ناراض کرنے والے میرے جنازہ پر نہ آنے پائیں ۔

عُذرِ رضامندی کا جواب

صحیح بخاری میں "حتّٰی مَاتَت" کی لفظیں اِس امر کا ثبوت ہیں کہ تا وفات غضب ناک ہی رہیں ۔ راضی نہیں ہوئیں ۔ جنازہ سے روکنا بھی یہی ثابت کرتا ہے ۔ لہٰذا بیہقی کی روایت سے راضی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ۔ جب کہ روایتِ ناراضگی صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں موجود ہونے کی وجہ سے اہلِ سنّۃ والجماعۃ حضرات کے اصولِ حدیث

کے مطابق "متّفق علیہ" قرار پائی ۔ اَور اہلِ سنّۃ والجماعۃ کے اُصُولِ حدیث کی کتاب "جامع الاصول" مصنّفہ علّامہ ابن الاثیر میں واضح طور پر لکھا ہے کہ بخاری و مسلم کے مقابلہ پر دُوسری کتاب کی روایت قابلِ قبول نہیں ۔ لہٰذا بخاری و مسلم کی روایتِ غضبِ سیّدہؑ کے خلاف بیہقی کی روایتِ رضامندی قابلِ قبول نہیں ۔ جب کہ بخاری میں "حتّٰی ماتت" یعنی "مرتے دم تک" کے الفاظ اَور جنازہ سے منع کرنے کی وصیّت سے رضامندی کی تردید ہوتی ہے ۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے آخری سانس تک ہرگز راضی نہیں ہوئیں ! ور رضامندی کی روایت موضوع اَور من گھڑت ہے ۔

مقامِ حضرتِ سیدہؑ

حضرت محمد مصطفیٰؐ حبیبِ خدا ہیں اور حضورؐ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ [1] اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کے مصداقِ اوّل ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی اور آپؐ کا غضب، اللہ کا غضب ہے۔ جس پر رسولِ خداؐ غضب ناک ہوں اُس شخص سے اللہ ہرگز راضی نہیں ہو سکتا

اب غور طلب امر یہ ہے کہ صحیح بخاری کتاب فضائلِ صحابہ باب مناقبِ فاطمہؑ میں صحابیِ رسولؐ مسور بن مخرمہ کی روایت موجود ہے

۱؎ یہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔ ترجمہ یہ ہے "تم کچھ نہیں چاہتے سوائے اُس کے جو اللہ چاہتا ہے"۔

کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ "فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے [1] پس جس نے اِس کو غضبناک کیا تو اُس نے مجھے غضب ناک کر لیا"۔ حضرت رسالتمآبؐ کے اس فرمان وحی بیان کی رُو سے غضبِ سیدہؑ غضبِ رسولؐ ہے۔ لہٰذا حضرتِ فاطمہؑ کو غضب ناک کرنا اللہ کو غضب ناک کرنا قرار پائے گا"۔

اسی وجہ سے رسولِ خداؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "فاطمہؑ کے غضب ناک ہونے سے اللہ غضب ناک ہوتا ہے"۔

حضورؐ کی یہ حدیث کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۶ ص ۲۱۹ میں موجود ہے۔ حدیث نمبر ۳۸۵۹۔ اور ۳۸۶۰ ملاحظہ ہو۔ ثابت ہوا

۱؎ یہ صحیح ترجمہ ہے "جگر کا ٹکڑا" غلط ترجمہ ہے کیونکہ حدیث میں "کبد" یعنی جگر کا لفظ نہیں اور نہ ہی "قلب" یعنی دل کا لفظ ہے۔

کہ غضبِ فاطمہ زہراؑ غضبِ خدا و رسولؐ ہے۔

چونکہ پیغمبرِ خداؐ نے اپنی زبانِ وحی بیان سے غضبِ سیدہؑ کو اپنا اور خدا کا غضب قرار دیا ہے۔ اِس لئے حضرت سیدہؑ کا غضب غلط یا بِلا وجہ نہیں ہوسکتا۔

نکتہ حضرت رسولِ خداؐ نے اہلِ بیتؑ سے تمسک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا بر بنائے تمسک ہمارا مذہب وہی ہے جو حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا تھا۔

اُن لوگوں کو مولا علیؑ نے کیسا سمجھا ؟

جن لوگوں نے رسولِ خداؐ کی پیاری بیٹی، خاتونِ جنت اور

آیۂ تطہیر کی رُو سے طاہرہ بی بی حضرت فاطمہ زہراؑ کو غضب ناک کیا اُن کو حضرت امیرالمومنین، امام المتقین مولائے کائنات علیؑ ابنِ ابی طالبؑ نے کیسا سمجھا؟ یہ بات حسب ذیل کُتب سے واضح ہوجاتی ہے:۔

۱۔ صحیح مسلم مترجم (علامہ وحید الزمان) مع شرح نودی مطبوعہ مکتبہ شعیب کراچی جلد پنجم کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفئی ص ۲۳، (۲) جمع الفوائد من جامع الاصول مطبوعہ میرٹھ جلد ثانی ص ۱۸ (۳) فیض الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مجلسِ علمی سورت جلد ۴ ص ۱۴۲ (۴) اُردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ قیصرِ ہند پریس الہ آباد کتاب ثانی جلد سوم ص ۲۷۲ (۵) "الامامۃ والسیاسۃ" ابنِ قتیبہ دینوری مطبوعہ مصر ص ۱۵

شوریٰ میں اُن کی سیرت سے انکار

حضرت علیؑ نے اُن کی سیرت پر

عمل کرنے یعنی اُن کی اِتباع کرنے سے شوریٰ میں صاف اِنکار کر دیا۔
ثبوت کے لئے حسب ذیل کتب دیکھئے:۔
(۱) شرح فقہ اکبر علامہ علی قاری حنفی مطبوعہ مجتبائی دہلی صـ۸۰ (۲)
تاریخ الامم والملوک" ابن جریر طبری مطبوعہ مطبعۃ الحسینیہ قاہرہ مصر
الجزء الخامس ۵ صـ۳۷ (۳) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اوّل
جزو چہارم ۲۷-۲۸

عُذرِ اجتہاد علامہ حنفی علی قاری نے یہ عُذر کیا کہ حضرت علیؑ چونکہ خود مجتہد تھے اس وجہ سے اُن دو آدمیوں
کی سیرت پر عمل کرنے سے اِنکار کیا۔" جواباً عرض ہے کہ یہاں تو محض
اِنکارِ علیؑ کی اہمیت کم کرنے کیلئے حضرت علیؑ کو مجتہد مان لیا لیکن شرح
وقایہ حاشیہ چلپی حنفی مطبوعہ نولکشور صـ۲۳۲ میں لکھا ہے:" اِنَّ

عَلِیًّا لَمْ یَکُنْ مِّنْ اَھْلِ الْاِجْتِھَادِ" یعنی علیؑ مجتہد نہیں تھے۔
پہلے اِس تضاد کو تو رفع کیجئے۔ پھر اجتہادِ علیؑ کا عُذر پیش کرنے کا حق ہوگا۔
مذہبِ اہلِ سُنّۃ والجماعۃ کی رُو سے تمام اصحابِ رسُولؐ مجتہد
تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کِسی اَور کی شرطیں کیوں پیش نہیں کی انہی
دونوں کی سیرت کی شرط کیوں پیش کی؟ محض اِس لئے کہ عبدالرحمٰن
بن عوف کی نظر میں وُہ دونوں خلیفہ تھے۔ اگر مجتہدین کو خلفاء کی اطاعت و
اِتباع سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو تمام اصحابِ رسُولؐ مذہبِ اہلِ سنۃ
والجماعۃ کی رُو سے مستثنیٰ ہوں گے کیونکہ اُن کے نزدیک تمام اصحابِ
پیغمبرؐ مجتہد تھے اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ خلفاء کو اصحاب سے بیعت
لینے کا حق ہی نہ رہا کیونکہ محض مصافحہ کرنے کا نام بیعت نہیں
ہے۔ صوفیاء حضرات بھی بیعت حکومت کی وجہ سے نہیں بلکہ متابعت دینی

رُوحانی کے لئے کرتے ہیں۔ لہٰذا اطاعت و اتباع کے عہد کو "بیعت" کہتے ہیں۔ بیعت کرنے والا مطیع و متبع ہوتا ہے اور بیعت لینے والا اُس کا مطاع اور لائقِ اتباع پیشوا ہوتا ہے۔

اگر حضرت علیؑ نے وفاتِ رسولؐ کے بعد (بقولِ غیر شیعہ حضرات) اُن دونوں کی اتباع و اطاعت کا عہد کیا یعنی اُن دونوں کی بیعت کی تھی اور اجتہادِ علیؑ مانع نہیں ہوا۔ پھر شوریٰ میں اُن کی اتباع سے انکار کا سبب اجتہادِ علیؑ کو کیونکر قرار دیا جائے گا؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اُن کی سیرت کی اتباع سے انکار کر کے ثابت کر دیا کہ مولائے کائناتؑ نے پہلے بھی اُن کی اطاعت و اتباع کا عہد نہیں کیا تھا یعنی کبھی اُن دونوں کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور اُن دونوں کو کبھی لائقِ اتباع تسلیم نہیں کیا تھا۔ ورنہ شوریٰ میں بھی انکار نہ کرتے۔ مزید یہ کہ خصائص

مُرتضوی امام نسائی اور دیگر معتبر کتب میں حضرت علی مرتضیٰؑ کے متعلق حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی یہ حدیث موجود ہے کہ اے علیؑ تیرا جسم میرا جسم ہے اور تیرا نفس میرا نفس ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ کا ہاتھ رسولؐ کا ہاتھ قرار پایا۔ پھر کوئی اُمّتی شخص رسولؐ کے ہاتھ سے بیعت کیونکر لے سکتا تھا؟

حکومت اور خلافتِ رسولؐ کا فرق

ہم پیروکارانِ مذہبِ امامیہ، دُنیوی حکومت کو "خلافتِ رسولؐ" نہیں سمجھتے یعنی ہمارے عقیدہ میں خلیفہ کے معنے مسلمان بادشاہ نہیں ہیں بلکہ مذہب اثنا عشری کے عقیدہ کے مطابق خلافت "ایک رُوحانی عہد ہے جو رسالت کے رُوحانی منصب کی جانشینی ہے۔ لہٰذا خلیفہ کے لئے

وہبی علم اَور رُوحانی قوتوں کی ضرورت ہے جو عوام نہیں دے سکتے بلکہ
اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ اِسی وجہ سے مذہب امامیہ کا عقیدہ ہے کہ عوام
کِسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتے۔ جس طرح عوام کی بڑی سے بڑی اکثریت
کِسی کو "نبی" یا "رسُول" نہیں بنا سکتی کیونکہ اگر عوام کی اکثریت کِسی کو "نبی"
یا "رسول" کہنے لگے (اَور اللہ نے اُسے نبی یا رسول نہ بنایا ہو) تو وُہ ہرگز
"نبی" یا "رسول" نہیں ہوگا کیونکہ عوام نام تو نبی یا رسول رکھ لیں گے لیکن
نبوّت و رسالت کی رُوحانی قوتیں اَور وہبی علم نہ دے سکیں گے۔ اِسی
طرح اگر عوام کی اکثریت کِسی کو "خلیفہ" کہنے لگے (اَور اللہ نے اُسے خلیفہ
نہ بنایا ہو) تو وُہ نام تو "خلیفہ" رکھ سکتے ہیں لیکن خلافت کی رُوحانی قوتیں
اَور وہبی علم نہیں دے سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کا بنایا ہوا
"خلیفہ" علم نہ ہونے کی وجہ سے دُوسروں سے پُوچھتا پھرتا ہے۔ اَور

بعض اوقات یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ "اگر فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو
جاتا۔" رسُولؐ کے بعد، خلیفہ کا کام یہ ہے کہ وُہ مسلمانوں کو ہدایت دے
لیکن جو خود ہی ہدایت کا محتاج ہو ایسے شخص کو "خلیفہ" تسلیم کرنے سے
کیا فائدہ؟

مخفی نہیں کہ اعلانِ رسالتؐ کے بعد رسولِ خداؐ مکۂ معظمہ میں ۱۳
سال رہے۔ اُس وقت بھی دُنیوی سلطنت نہ ہونے کے باوجود حضورؐ نبی
اَور رسُول تھے معلوم ہوا کہ نبوّت کے لئے حکومت شرط نہیں۔ اِسی طرح
نبوّت و رسالت کی جانشینی یعنی خلافت کے لئے بھی شرط نہیں۔ نبی اَور
رسُول حکومت کے بغیر بھی نبی اَور رسُول ہوتے ہیں اَور اللہ کے بنائے ہوئے
خلیفۂ رسُولؐ حکومت کے بغیر بھی خلیفۂ رسُولؐ ہوتے ہیں جیسے اللہ نے
نبی نہ بنایا ہو اُس کے پاس حکومت آجائے تو نبی نہیں بن سکتا۔ اور

جسے اللہ نے خلیفہ نہ بنایا ہو اُسے حکومت مِل جائے تو خلیفہ نہیں بن جاتا۔ خواہ عوام کی اکثریت اُسے خلیفہ کہتی رہے جس طرح یزید بن معاویہ کے پاس حکومت تھی اور اکثریت نے اُس کو خلیفہ تسلیم کرکے بیعت کر لی تھی۔ پھر بھی خلیفۂ رسُولؐ نہیں تھا! ور امام حسینؑ کے پاس حکومت نہیں تھی پھر بھی حسینؑ ہی اللہ کے بنائے ہوئے خلیفۂ رسولؐ تھے! اسی طرح اِمام حسنؑ رسولؐ کے خلیفۂ برحق تھے! ور اُنہوں نے مسلمانوں میں خونریزی کو ناپسند فرماتے ہوئے دُنیوی حکومت معاویہ کے سپرد کر دی لیکن مذہبِ امامیہ کی رُو سے معاویہ خلیفہ نہیں۔ بلکہ حکومت کے بغیر بھی امام حسنؑ خلافتِ رسولؐ کے رُوحانی منصب پر فائز وہبی علم اور رُوحانی قوتوں کے مالک، اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ رہے کیونکہ مذہبِ اِمامیہ میں "حکومت" کا نام خلافت نہیں بلکہ حکومت منصُوص

خلیفۂ رسُولؐ (یعنی فرمودۂ رسُولؐ سے اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ) کا حق ہے جب کہ وُہ رُوحانی پیشوا ظاہراً موجود ہو

خِلافتِ علیؑ منصُوص ہے

دُوسری جانب سے محض عوام کے بنائے ہوئے "خلیفوں" کو حق پر ثابت کرنے کے لئے، یہ دعویٰ کیا جا تا رہا ہے کہ حضرت رسُولِ خداؐ یہ بتا کر ہی نہیں گئے کہ خلیفہ کون ہو۔ بلکہ عوام ہی پر چھوڑ گئے۔ لیکن ایسا کہنے والوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ رسُولِ خداؐ نے اعلانِ نبوّت کے وقت سے اپنی وفات تک کئی بار حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ اور مولا علیؑ کے لئے ہر وُہ لفظ ارشاد فرمایا جو مفہومِ خلافت کیلئے مناسب تھا یعنی وصی، ولی، مولیٰ، وارث اور خلیفہ۔ علاوہ ازیں اپنا ہارُون

بھی قرار دیا۔ ثبوت حسب ذیل ہے :-

دعوتِ ذُوالعشیرہ

تبلیغِ رسالتؐ کے ابتدائی ایام میں، جب قرآنِ مجید، سورۃ الشعراء کی آیۂ مبارکہ "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ"[1] نازل ہوئی تو رسولِ خدا نے حاضرینِ دعوت کے سامنے خلافتِ علیؑ کا اعلان یوں فرمایا:" ان هٰذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا"

یعنی تحقیق یہ (علیؑ) میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے تم لوگوں میں، پس اس کا حکم سُنو اور اس کی اطاعت کرو!" رسولِ خدا کا یہ فرمانِ وحی بیان حسب ذیل کُتُب اہل سنۃ والجماعۃ میں موجود ہے[2] :-

[1] ترجمہ آیۂ مبارکہ یہ ہے :-" اور ڈرائیے اپنے قریبی عزیزوں کو"

[2] ان کے علاوہ بہت سی دیگر کتب میں بھی ہے۔

۱۔ مسند امام احمد حنبل مطبوعہ مصر الجزء الاوّل ص۳۳۱ (۲) کنز العمال مطبوعہ مصر جلد۶ حدیث نمبر ۶۰۰۸ اور حدیث ۶۰۵۶ (۳) تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اوّل الجزء الثالث ص۱۶ (۴) تفسیر معالم التنزیل ابوالفراء بغوی مطبوعہ مصر (برحاشیۂ تفسیر خازن) جلد پنجم ص۱۰۵ (۵) تاریخ "المختصر فی احوال البشر" ابوالفداء مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۱۱۹

نُکتہ

بعض لوگ عُذر کرتے ہیں کہ صرف "اقربین" میں خلیفہ مقرر فرمایا اس کے معنے یہ ہوں گے کہ دو خلیفہ ہوا کریں۔ اقربین میں الگ اور باقی اُمت میں الگ، یعنی جو باقی اُمت میں خلیفہ ہو اُسے اقربین سے بیعت لینے کا حق نہیں لیکن یہ بات عُذر کرنے والوں کو بھی قبول نہ ہوگی۔ لہٰذا یہ عُذر کہ صرف اقربین میں خلیفہ مقرر فرمایا درست عُذر نہیں۔ علاوہ ازیں اُس وقت حاضرینِ دعوت" اقربین" میں کُفار کی

اکثریت بھی پھر گیا کافروں میں خلیفہ مقرر فرما رہے تھے؟ (معاذ اللہ) حقیقت یہی ہے کہ جس طرح اُن کے سامنے اپنی رسالتؐ کا اعلان فرمایا اُسی طرح خلافتِ علیؑ کا بھی اعلان فرمایا۔ نہ تو رسالتِ محمدیہؐ اُن کے اقربین تک محدود تھی اور نہ ہی خلافتِ علیؑ بلکہ محض ابتدا سے تبلیغ "اقربین" سے ہوئی۔

ہارونِ محمدیؐ

حضرت رسالتمآبؐ نے جب سفرِ تبوک پر روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؑ کو "خلیفہ" مقرر فرمایا۔ بعضوں نے کہا "عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بنایا ہے (جس طرح کہا "اقربین میں بنایا ہے") اس پر حضرت علیؑ نے رسولؐ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں۔

(یعنی میری خلافت کو بچوں اور عورتوں تک محدود قرار دے رہے ہیں) تو حضورؐ نے فرمایا "تیری منزلت مجھ سے وُہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی سوائے اِس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اور حضرت علیؑ کی شان میں رسولؐ کا یہ فرمانِ وحی بیان اہلِ سنۃ والجماعۃ حضرات کی حسب ذیل کُتُب میں موجود ہے:۔

۱۔ صواعقِ محرقہ امام ابنِ حجر مکیؒ مطبوعہ مصر صفحہ ۸۴ (۲) ازالۃ الخفاء ولی اللہ محدث دہلوی (اُردو ترجمہ) مطبوعہ سعیدی کراچی مقصدِ دوم صفحہ ۵۰۵ (۳) فیض الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مجلس علمی سُورت، باب مناقبِ علی جلد ۴ صفحہ ۶۸ (۴) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد دوم باب فضائل اصحابؐ النبی مناقب علی حدیث ۹۰۳ (۵) صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزء الثانی باب من فضائلِ علیؑ (۶) مُسند امام اہلِ سنۃ والجماعۃ

احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۱۷۹ سطر ۱۶ تا ۱۸۔ ص۱۸۲ کی آخری دو سطریں ص۱۸۴ سطر ۱۷-۱۸ اور ص۱۸۵ (۷) "زاد المعاد" حافظ ابن قیم مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص۳ سطر ۸ (۸) الاصابہ فی تمیز الصحابہ" حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مصر جلد ۳ ص۲۷۰، ص۲۷۱ (۹) جامع الترمذی مطبوعہ نولکشور، باب مناقب علی ص۶۱۸ سطر ۳، اور آخری سطر (۱۰) شرح مواقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص۷۳۹ سطر اوّل (۱۱) منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ ص۳۱ سطر ۲ اور ص۵۳ پہلی سطر (۱۲) "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" محب طبری مطبوعہ مصر جلد ص۱۶۲، ص۱۵۳ (۱۳) تاریخ الخمیس مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص۱۲۵ (۱۴) تاریخ الخلفاء سیوطی (اردو ترجمہ) مطبوعہ صدیقی (مطبع زمیندار) لاہور ص۹۱ (۱۵) روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص۱۶۱ سطر ۲۵ تا ۲۷

(۱۶) روضۃ الاحباب جمال الدین محدث مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ (تیغ بہادر) جلد اوّل ص۴۸۷ (۱۷) معارج النبوۃ معین کاشفی مطبوعہ نولکشور رکن چہارم ص۲۸۱ (۱۸) مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد سوم باب مناقب علی ص۲۵۸ حدیث نمبر ۵۸۲۶ متفق علیہ۔

نکتہ رسولِ خدا نے اپنے فرمانِ وحی بیان میں صرف نبوّت کو مستثنیٰ فرمایا جیسا کہ فرمایا "اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" اور مسند احمد حنبل مطبوعہ مصر جلد اوّل (مسند ابی اسحٰق سعد بن ابی وقاص) ص۱۷۰ سطر ۲۳ تا ۲۶، حدیثِ منزلت کی روایت بالمعنی موجود ہے "اِلَّا النبوۃ" کے الفاظ ہیں لہٰذا صرف نبوّت کو مستثنیٰ کیا گیا۔ تو نبوّت کو چھوڑ کر حضرت ہارونؑ کی ہر منزلت (جو انہیں موسیٰؑ سے حاصل تھی) حضرت علیؑ کو رسولؐ سے حاصل ہوئی۔ قرآن مجید کی رُو سے حضرتِ ہارونؑ ہی حضرتِ موسیٰؑ کے خلیفۂ اوّل

(بلا فصل) تھے۔ لہٰذا فرمانِ رسُولؐ کی رُو سے یہی منزلت حضرت علیؑ کو حاصل ہُوئی اور حضرت رسُولِ خداؐ کے خلیفۂ اوّل (بلا فصل) قرار پائے۔ کیونکہ رسُولِ خداؐ نے نبوّت کو مستثنیٰ فرمایا ہے اوّلیتِ خلافت کو نہیں۔ اگر خدا و رسُولؐ کا منشاء اس کے خلاف کچھ اور ہوتا تو علیم و حکیم خُدا، اپنے معصُوم رسُولؐ کی زبانِ وحی بیان ہی سے اُسی موقع پر اوّلیتِ خلافت کو بھی مستثنیٰ کروا دیتا۔ لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ اِس بناء پر منشاءِ الٰہی یہی قرار پایا کہ ہارُونِ محمدؐ ہونے کی وجہ سے حضرت علی مُرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہی رسُولِ خداؐ کے خلیفۂ اوّل ہیں۔ خواہ اُن کے پاس حکومت ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ دُنیوی حکومت کا نام خلافت نہیں بلکہ منصبِ رُوحانی جانشینیِ پیغمبرؐ کا نام خلافت ہے لیکن حکومت خلیفۂ رسُولؐ کا حق ضرور ہے۔

نکتہ ۲ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سفرِ تبوک پر تشریف لے جاتے ہوئے عارضی طور پر خلیفہ چھوڑ گئے تھے اُنہیں یہ غور کرنا چاہیئے کہ وقتی طور پر خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ جانا کوئی ضروری نہ تھا جب کہ کسی جنگ اور کسی سفر پر جاتے ہُوئے پہلے کبھی مدینہ میں کسی کو خلیفہ نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ منشاءِ رسُولؐ یہی تھا کہ لوگوں کو آپؐ کے خلیفہ کا عِلم ہو جائے۔ علاوہ ازیں فرمانِ وحی بیان میں لفظ "بَعدِی" یعنی میرے بعد اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مولا علیؑ کی منزلتِ ہارُونی وقتی یا عارضی نہ تھی بلکہ رسُولؐ کے بعد بھی مولا علیؑ اسی منزلت پر رہیں گے۔ یہ منزلت سَلب نہ ہوگی۔ اِس بات کی تائید مندرجہ ذیل حدیث بھی کرتی ہے:۔

تبلیغ سُورۂ برأت کے موقع پر حضرت رسُولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان یُوں فرمایا:۔

"علیؑ منّی وھواخی ووصی ووارثی وخلیفتی فی اھل بیتی واُمّتی بعدی" یعنی فرمایا علیؑ مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور میرا خلیفہ ہے میرے اہل بیت اور میری اُمت میں میرے بعد" (دیکھئے حبیب السیر مطبوعہ بمبئی جلد اوّل جزو سوم ص۷۲ سطر۴)

نکتہ | حضرت سیّد الانبیاءؐ کے فرمان میں لفظ "بعدی" یعنی میرے بعد" اِس امر کا مقتضی ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ ہی کے بعد خلیفہ تسلیم کیا جائے نہ کہ دوسرے حضرات کے بعد۔ لفظ "وصی" اور "وارثی" بھی اِس امر کے مؤیّد ہیں۔

اعلانِ ولایتِ علیؑ | غیر شیعہ حضرات کی معتبر کُتب سے ثابت ہے کہ سرکارِ دوجہان، رسولِ خداؐ نے فرمایا:۔" ان

علیا منّی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی" یعنی علیؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ ہر ایمان والے کا ولی ہے میرے بعد"۔ یہ فرمانِ رسولؐ حسبِ ذیل کتابوں میں موجود ہے:۔

۱۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ مصر (۱۳۲۵ھ) الجزء الخامس ترجمہ وہب بن حمزہ ص۳۲۵ اور الجزء الثالث ص۲۷۰ تا ص۲۷۱ (۲) جامع الترمذی مطبوعہ نولکشور باب مناقب علی ابن ابی طالب ص۶۱۶ (۳) خصائص امام نسائی مطبوعہ محمدی لاہور ص۵۲ تا ص۵۴ (۴) صواعقِ محرقہ امام ابنِ حجر مکی مطبوعہ مصر ص۷۴ (۵) کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ششم ص۱۵۲ یا منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد پنجم ص۳۰ و ص۵۲

لفظ "بعدی" اور ولی کا معنیٰ | مخفی نہیں کہ حضرت علیؑ پر رسالتمآب

میں بھی مومنوں کے دوست و مددگار ہی تھے دشمن تو نہیں تھے اگر مقصودِ پیغمبرؐ "دوست" یا "مددگار" کہنا ہوتا تو حضورؐ لفظِ "بعدی" یعنی "میرے بعد" ہرگز نہ فرماتے۔ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ وہ ولایت مراد ہے جو حضرت علیؑ کو عہدِ رسالتؐ کے بعد حاصل ہونے والی تھی۔ لہٰذا لفظِ "بعدی" کے ہوتے ہوئے ولی کا معنیٰ "دوست" یا "مددگار" اس حدیث میں ہرگز نہیں ہو سکتا اس بناء پر ولی کا معنیٰ "حاکم" ہی صحیح ہے یعنی رسولؐ نے فرمایا "علیؑ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور وہ ہر مومن کا حاکم ہے میرے بعد" کیونکہ اس معنیٰ میں حضرت علیؑ عہدِ رسالتؐ میں ولی نہ تھے بلکہ رسولؐ حاکم تھے اور رسولؐ کے بظاہر بظاہر موجود ہوتے ہوئے "علیؑ ولی اللہ" کہہ کر علیؑ کو حاکم قرار دینا عہدِ رسالتؐ میں مناسب نہ تھا بلکہ عہدِ رسالتؐ کے بعد ہی مناسب ہے اور عہدِ رسالتؐ کے بعد "علیؑ ولی اللہ" کہہ کر

مولا علیؑ کی حاکمیت کا اقرار کرنا فرمانِ رسولؐ "ھو ولی کل مومن بعدی" کو تسلیم کرنے کا اعلان اور اپنے ایمان کا اظہار ہے۔

علیٌ ولیُ اللہ

اہلِ سنت والجماعت حضرات نے خطبۂ جمعہ میں حضرت علیؑ اور دیگر حضرات کے نام پڑھنا عہدِ رسالتؐ کے بعد ہی شروع کیا حالانکہ یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں کہ خطبۂ جمعہ میں یہ تمام نام عہدِ رسالتؐ میں پڑھے جاتے تھے۔ "علیؑ ولی اللہ" کہنے کو (معاذ اللہ) "بدعت" کہنے سے پہلے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی بات کو بدعت اُسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ وہ بات قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو۔ لہٰذا "علیؑ ولی اللہ" پڑھنا بدعت نہیں بلکہ سنّت ہے کیونکہ حضرت رسولِ خداؐ نے "علیؑ ولی اللہ" خود اپنی زبانِ وحی بیان سے پڑھ کر سنایا ہے جیسا کہ فردوس الاخبار دیلمی میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ میں نے

شبِ معراج جنّت کے دروازہ پر سونے کے حرُوف سے یہ کلمہ لکھا ہوا دیکھا

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ حَبِیْبُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ الخ

اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے ساتھ مولا علیؑ کا ذکر منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۳۵ میں بھی موجود ہے۔

نکتہ | جنّت کے دروازہ والے کلمہ کے مطابق "علیٌّ ولی اللہ" ہم اس لئے پڑھتے ہیں کہ جنّت میں جانا چاہتے ہیں لیکن قیامت کے دن بعض لوگ دروازہ جنّت پر "علیٌّ ولی اللہ" لکھا ہوا دیکھ کر شاید یہی کہتے ہوئے واپس ہو جائیں کہ "یہ تو شیعوں کا امام باڑہ ہے ہم اس میں نہیں جائیں گے"

قرآن میں اعلانِ ولایتِ علیؑ

قرآن مجید پارہ ۶ سورۃ المائدہ کی آیہ ولایت "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ" مولائے کائنات حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے ثبوت کے لئے حسب ذیل کتُبِ اہلِ سُنّت والجماعت ملاحظہ فرمائیے:-

۱۔ تفسیر جامع البیان ابنِ جریر طبری مطبوعہ دار المعارف مصر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۵ و صفحہ ۴۲۶ (۲) تفسیر حافظ ابنِ کثیر دمشقی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ (۳) تفسیرِ خازن مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۵۰۶ (۴) تفسیر دُرِّ منثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ تا صفحہ ۲۹۴ (۵) تفسیرِ حسینی (فارسی) مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

جلد اوّل صفحہ ۱۵۰ آخری سطر تا صفحہ ۱۵۱ سطر ۳ یا تفسیر قادری (اُردو ترجمہ تفسیر حسینی) مکتبہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور جلد اوّل صفحہ ۲۴۵ (۲) منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند حنبل مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۳۸

ترجمہ آیتِ ولایت

"سوائے اِس کے نہیں کہ تم لوگوں کا ولی اللہ ہے اور اُس کا رسُولؐ اور وہ ایمان والے جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور بحالتِ رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں"۔ لیکن غیر شیعہ حضرات "وَهُمْ رَاكِعُونَ" کا ترجمہ "اور وہ رکوع کرنے والے ہیں" بیان کرتے ہیں۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ جب یہ فرما دیا کہ نماز کو قائم کرتے ہیں "يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ" تو یہ ثابت ہو گیا کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں اُس کے بعد یہ کہنا کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں غیر ضروری تکرار ہوگا اور اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ غیر ضروری کلام فرمانے سے قطعاً پاک ہے

لہٰذا "وہ رکوع کرنے والے ہیں" صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ "نماز قائم کرتے ہیں" فرما کر ذکرِ رکوع اِس لئے فرمایا کہ مولا علیؑ نے حالتِ رکوع ہی میں زکوٰۃ دی تھی۔ لہٰذا ترجمہ "بحالتِ رکوع زکوٰۃ دیتے ہیں" صحیح ہے۔

وصیِّ رسُول اللہؐ

جبکہ گذشتہ صفحات میں ثابت کیا گیا کہ دعوتِ ذوالعشیرہ اور دیگر مقامات پر خود حضرت محمد مصطفےٰؐ نے اپنی زبانِ حق بیان سے لفظِ "وصی" حضرتِ علیؑ کے لئے ارشاد فرمایا ہے اس کے بعد یہ کہنا کہ "علیؑ کو وصیِ رسُولؐ کہنا عبداللہ بن سبا نے ایجاد کیا" ضد اور تعصّب کے سوا کچھ نہیں بلکہ ارشاداتِ رسُولؐ کی مخالفت پر مبنی ہے حقیقت یہ ہے کہ شیعہ دُشمن عناصر نے محض مخالفتِ مذہبِ امامیہ کے لئے عبداللہ بن سبا کا فرضی قصہ وضع کیا تھا جیسا کہ مصر کے مشہور و معروف مورّخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:-

"میرا خیال ہے کہ جو لوگ ابن سبا کے معاملے کو اس حد تک اہمیت دیتے ہیں وہ نہ صرف اپنے پر بلکہ تاریخ پر بھی شدید ظلم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی غور طلب چیز یہ ہے کہ اُن تمام اہم ماٰخذ میں جو حضرت عثمان کے خلاف رونما ہونے والی شورش پر روشنی ڈالتے ہیں ہمیں ابن سبا کا ذکر ہی نہیں ملتا مثلاً ابنِ سعد نے جہاں خلافتِ عثمان اور اُن کے خلاف بغاوت کا حال رقم کیا ہے وہاں ابن سبا کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح بلاذری نے بھی انساب الاشراف میں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ حالانکہ میرے خیال میں حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کے واقعات معلوم کرنے کے لئے "انساب الاشراف" اہم ترین ماٰخذ ہے۔" (دیکھئے اُردو ترجمہ "الفتنۃ الکبریٰ" شائع کردہ "ادارہ طلوعِ اسلام" ص٢٨٤ آخری سطر تا ص٢٨٥)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین پھر اسی کتاب کے ص٢٨٩ (سطر ١٠ تا ١٣) یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس طرح گمان اغلب ہے کہ شیعہ دشمن عناصر نے عہدِ اُمیہ و عباسیہ میں عبداللہ بن سبا کے معاملے کو اس لئے مبالغہ کا رنگ دے دیا کہ ایک طرف تو کچھ ایسے واقعات جو حضرت عثمان اور اُن کے والیوں سے منسوب ہیں وہ مشکوک ہو جائیں اور دوسری طرف حضرت علیؑ اور اُن کے ساتھیوں پر زد پڑے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ شیعہ ایک یہودی کے جھانسے میں آئے ہوئے تھے۔"

حدیثِ غدیر

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع ١٠ھ

سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لاتے ہوئے جب مقامِ غدیر خُم پر پہنچے تو قرآن مجید کی یہ آیۂ مبارکہ و مقدسہ نازل ہوئی :-

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ[۱]

ترجمہ :- اے رسولؐ اُس (پیغام) کو پہنچا دیجیئے جو آپؐ کی جانب آپؐ کے رب کی طرف سے نازل ہوا[۲]۔ اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کو نہیں

---

۱ قرآن مجید پارہ ۶ سورۃ المائدہ کی آیت ہے (۲) یہ حکم پہلے نازل ہو چکا تھا جس کی جانب اشارہ فرمایا۔ اور وُہ حکم سورہ الانشراح کا ہے "اِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ" یعنی جب آپؐ (حج سے) فارغ ہو جائیں تو مقرر کر دیجیئے۔

پہنچایا۔ اور (اُن) لوگوں[۱] سے آپ کو اللہ بچائے گا۔

قرآن مجید کے اِس حکم خُدا کی تعمیل کے لیئے رسولِ خداؐ نے ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا[۲] جس میں حضرت علیؑ کو اُن تمام مخلوقات کا مَولا قرار دیا جن کے خود آپؐ مولا ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: "فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ" یعنی "پس جس کسی کا میں مَولا ہُوں تو یہ علیؑ اُس کا مَولا ہے"۔ رسولؐ کا یہ فرمانِ وحی بیان حسب ذیل کُتُب میں موجود ہے :- (۱) "منہج الوصول الیٰ اصطلاح احادیث الرسولؐ" نواب صدیق حسن بھوپالی (اہلحدیث) مطبوعہ شاہجہانی ص۱۳ سطر ۳ تا ۶ (۲) مشکوٰۃ (مترجم) مطبوعہ سعیدی کراچی جلد سوم باب مناقب علیؑ فصل

---

۱ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے موجود تھے جن سے (یہ پیغام پہنچاتے ہوئے) رسولؐ کو خطرہ تھا۔ ۲ وُہ صحابہ حج کر کے آئے تھے یعنی حاجی بھی تھے۔

دوم ص۲۵۹ حدیث نمبر ۵۸۴۳ (۳) جامع الترمذی مطبوعہ نولکشور باب مناقب علیؑ ص۲۱۲ (۴) "مطالب السئول" شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی ص۵۶-۵۵ (۵) ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" محب طبری مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۱۵۳ (۶) مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی مطبوعہ نولکشور کانپور جلد ۲ ص۵۲۱ (۷) تفسیر دُرِّ منثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۲۵۹ (۸) کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۳ھ جلد ۶ ص۳۹۷ (۹) تاریخ الخلفاء سیوطی (اردو ترجمہ) مطبوعہ صدیقی (مطبع زمیندار لاہور) ص۱۲۱ (۱۰) روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی جلد ۲ ص۱۷۳ سطر ۱ تا ۱۵ (۱۱) "تذکرۃ خواص الامۃ" ابن جوزی مطبوعہ مصر ص۲ سطر ۴ (۱۲) "شواہد النبوۃ" مولانا جامی مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی ص۲۰۸ (۱۳) "سر العالمین" امام غزالی مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ ص۹ (۱۴) الشفاء قاضی عیاض مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ لاہور الجزء الثانی

ص۱۸۶ سطر ۵ ۔

نوٹ: "سر العالمین" تصنیف امام غزالی ہی ہے ثبوت کے لئے میزان الاعتدال علامہ ذہبی مطبوعہ مصر جلد اوّل حرف الحاء، ترجمہ حسن بن صباح ص۲۳۲ ملاحظہ ہو

حدیث غدیر صحیح ہے

امام ابن حجر مکی نے "صواعق محرقہ" مطبوعہ مصر کے ص۲۵ پر حدیث مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ الخ کو صحیح تسلیم کیا ہے اور مشکل الآثار طحاوی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن طبعہ اولیٰ جلد اوّل ص۳۰۸ سطر ۱۸ میں حدیث غدیر کے متعلق یوں لکھا ہے:۔

"فھذا الحدیث صحیح الاسناد لاطعن لاحد فی رواتہ"

ترجمہ: پس یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اس کے راویوں میں سے کسی پر بھی کوئی طعن نہیں ہے۔"

لفظِ مولا کا معنیٰ

رسولِ خداؐ نے اپنے خطبہ میں حضرت علیؑ کو مولاؑ قرار دینے سے پہلے خود ہی مولا کا مطلوب معنیٰ بھی سمجھا دیا فرمایا "الست اولیٰ بکم من انفسکم" یعنی "کیا میں تم لوگوں کی جانوں پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟" ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ نے کہا "بیشک" تو حضورؐ نے فرمایا "من کنتُ اولیٰ بہ من نفسہ فعلی اولیٰ بہ من نفسہ[1]" یعنی جس کی جان پر اُس سے زیادہ میں صاحبِ اختیار ہوں پس علیؑ اُس کی جان پر اُس سے زیادہ صاحبِ اختیار ہے"۔ یہ معنیٰ سمجھا کر فرمایا پس جس کا میں مولا ہوں اُس کے یہ علیؑ مولا ہیں"۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مقصودِ پیغمبرؐ علیؑ کو "دوست" بتانا نہیں بلکہ جانوں پر اختیار رکھنے والا" حاکم قرار دینا تھا

۱؎ دیکھیے "ینابیع المودۃ" مصنفہ مفتیِ اعظم قسطنطنیہ محمد سلیمان حنفی بلخی مطبوعہ اسلامبول جلد اوّل ص۱۱۵

اِس لئے حدیثِ غدیر میں لفظ مولا کا معنیٰ دوست ہرگز درست نہیں۔

۲۔ خطبۂ رسولؐ سُن کر مشہور صحابیٔ رسولؐ حسّان بن ثابت نے مولا علیؑ کی شان میں اُسی وقت حاضرین کے سامنے قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

فقال لہ قم یا علیؑ فانّنی رضیتک من بعدی اماماً و ہادیاً[1]

ترجمہ: پس (رسولؐ) نے حضرت علیؑ سے فرمایا "اے علیؑ کھڑا ہو جا۔ پس تحقیق میں نے تجھے پسند کیا بعد کے لئے امام (پیشوا) اور ہادی"۔ اور اُسی قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے:۔

فخصّ بہا دون البریّۃ کلّہا علیاً وسماہ الوزیر المواخیا[2]

ترجمہ: پس (رسولؐ نے) تمام مخلوقات کو چھوڑ کر اِس (پیشوا اور ہادی

۱و۲ یہ دو شعر قصیدۂ حسّان کے "تذکرۃ خواص الامۃ" علّامہ سبط الجوزی کے ص۲۰ پر دیکھیے۔

کے منصب) کے لیے علیؑ کو مخصوص کیا اور اُنہی کا نام رکھا "وزیر" برادر۔

حدیث تین قسم کی ہوتی ہے (۱) قولی (۲) فعلی (۳) تقریرِ رسولؐ۔ تیسری قسم یعنی تقریرِ رسولؐ "وہ کہلاتی ہے کہ رسولؐ کے سامنے کوئی بات کہی جائے یا کوئی فعل کیا جائے اور رسولؐ تردید نہ فرمائیں یعنی رسولؐ کی خاموشی اِس امر کی دلیل ہے کہ وہ قول یا فعل صحیح ہے۔ اور اُسے حدیث تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ مقدمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے اصولِ حدیث تحریر فرمائے اور اِس تیسری قسم کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا حسّان بن ثابت صحابی رسولؐ نے مولا کے معنے "امام"، "ہادی"، "وزیر" پیغمبرؐ کے سامنے بیان کئے اور پیغمبرؐ نے تردید نہ فرمائی۔ اگر محض "دوست" کہنا مقصودِ پیغمبرؐ ہوتا تو فوراً منع فرما دیتے کہ میں نے "مولا" امام، ہادی اور وزیر کے معنوں میں نہیں کہا، محض "دوست" کہا ہے لیکن پیغمبرؐ نے منع نہیں فرمایا اور خاموش رہ کر ثابت

فرما دیا کہ "مولا"، "دوست" کے معنی میں نہیں فرمایا۔

۳۔ خطبۂ رسولؐ کے بعد حضرت عمر بن خطّاب نے حضرت علیؑ کو یوں مبارکباد دی :- "مبارک! مبارک! آپ کو اے فرزندِ ابوطالبؑ! کہ آپ نے ایسی صبح کی اور ایسی شام کی (یعنی آج کا دن آپ کے لئے ایسا آیا) کہ آپ میرے مولا ہوئے اور تمام مؤمن مردوں اور تمام مؤمن عورتوں کے مولا ہوگئے"۔ حضرت عمر کے یہ الفاظ مشکوٰۃ (عربی) مطبوعہ محمدی دہلی باب مناقب علیؑ اور سِرّ العالمین امام غزالی مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ صہ۹ میں موجود ہیں۔ حضرت عمر کے الفاظ کی رُو سے "مولا" کا مقام حضرت علیؑ کو اُسی روز حاصل ہوا تھا پہلے حاصل نہیں تھا جب کہ مؤمنین و مومنات کے دوست حضرت علیؑ پہلے بھی تھے۔ لہٰذا اِس حدیثِ غدیر میں "مولا" کا معنی دوست نہیں بلکہ جانوں پر صاحبِ اختیار حاکم "ہے یعنی رسولؐ کے بعد منصبِ ہدایت پر

فائز مخلوقات کا امام اور پیغمبر کا وزیر۔

۴۔ علامہ سبط ابن جوزی نے "خواص الامۃ" کے صفحہ ۲۰ پر "مولا" کے معنے "دوست" لکھنے کی بجائے یہ لکھتے ہیں "ھذا نص صریح فی اثبات امامتہ وقبول طاعتہ" یعنی "یہ (حدیث پیغمبر میں لفظِ مولا) حضرت علیؑ کی امامت کے اثبات اور آپؑ کی اطاعت قبول کرنے کے بارے میں نصِ صریح ہے"۔

۵۔ امام غزالی نے بخ بخ کہہ کر مبارک باد دینے کو "تسلیم و رضا و تحکیم" تحریر فرمایا ہے دیکھئے "سر العالمین و کشف ما فی الدارین" مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ صفحہ ۹

دستارِ ولیعہدی

اگر صرف "دوست" کہنا مقصودِ فرمانِ پیغمبرؐ ہوتا تو حضورؐ کو حضرت علیؑ کی دستار بندی کی کیا ضرورت تھی، حالانکہ غدیر خم کے مقام پر حضرت علیؑ کے سرِ مبارک پر خود رسولؐ نے دستار باندھی۔ ثبوت کے لیے دیکھئے "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ" مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۱۷ اور کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۸ صفحہ ۶۰

★ ۶۔ حرث فہری کا واقعہ

تفسیر ثعلبی میں قرآن مجید کے پارہ ۲۹ کی سورۃ المعارج کی تفسیر میں بروایتِ امام محمد باقرؑ اور تفسیر فتح البیان علامۃ الحدیث نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی جلد عاشر (۱۰) مطبوعہ مصر صفحہ ۴۸ سطر ۲۰ میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حدیثِ "من کنت مولاہ" جب تمام اطراف اور چھوٹے بڑے شہروں میں پہنچ گئی تو حرث بن نعمان فہری، خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوا۔ اپنی اونٹنی کو بٹھا کر آیا اور حضورؐ سے کہنے لگا "یا محمدؐ! آپؐ نے ہم لوگوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی شہادت دینے کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ پھر آپ نے نمازِ پنجگانہ کا حکم دیا ہم نے مان لیا پھر آپ نے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا وہ بھی ہم نے قبول کیا۔ پھر آپ نے حج اور اپنے اموال کی زکوٰۃ دینے کا حکم

دیدو۔ وہ بھی ہم نے قبول کرلیا۔ اس پر بھی آپ راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ آپ نے
اپنے چچا کے بیٹے (علیؑ) کے بازو کو بلند کرکے اُس (علیؑ) کو تمام اِنسانوں
پر فضیلت دے دی اور آپ نے کہہ دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا
علیؑ (بھی) مولا ہے"۔ یہ حکم آپ کی جانب سے ہے یا اللہ کی جانب سے؟"
حرث کی یہ گفتگو سُن کر حضرت رسولِ خداؐ کی آنکھیں غضب سے
سُرخ ہوگئیں اور حضورؐ نے فرمایا "قسم ہے اللہ کی، جس کے سوائے کوئی
معبود نہیں ہے۔ یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے۔ میری جانب سے نہیں"
حضورؐ نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا۔ تو حرث کھڑا ہوگیا اور یہ کہتا ہوا اپنی
اونٹنی کی جانب) چلا کہ "جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں اگر یہ حق ہے تو اے اللہ ہم پر
آسمان سے پتھر بھیج یا کوئی اور دردناک عذاب پہنچا"۔ راوی کا بیان
ہے کہ پس قسم خدا کی، حرث اپنی اُونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ نے

اُسے آسمان سے پتھر مارا جو اُس کے سر پر لگا اور دُبر سے نکل گیا۔ حرث
وہیں مرگیا۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

"سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ"

ترجمۂ آیت:۔ ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا جو منکروں کے لئے
واقع ہونے والا ہے کوئی شخص اُس کو روکنے والا نہیں (نوٹ:۔ یہ آیۂ
مقدسہ قرآن مجید پارہ ۲۹، رکوع ۶، سورۃ المعارج کی ہے)

نکتہ حرث بن نعمان فہری توحید و رسالت کا قائل، نماز پڑھنے والا،
روزے رکھنے والا مسلمان تھا جس نے رسولِ خداؐ کی صحبت
بھی پائی۔ لہٰذا وہ صحابی تھا اور عرب کا رہنے والا تھا، عربی زبان سے
واقف تھا اُس نے مولا کا معنیٰ "دوست" نہیں سمجھا اِسی لئے کہا کہ آپؐ
نے علیؑ کو تمام اِنسانوں پر فضیلت دے دی"۔ اور حضرت رسولِ خداؐ

نے بھی اُس کے سمجھے ہوئے معنوں کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اللہ کی قسم کھا کر فرمادیا کہ یہ حکم اللہ کی جانب سے ہے" اور تین مرتبہ فرما کر تاکید فرمادی اگر لفظ "مولا" سے مقصودِ پیغمبر محض "دوست" کہنا ہوتا، تو حضورؐ فرما دیتے کہ اے حارث! تو نے مولا کا مفہوم غلط سمجھا، میں نے تو صرف "دوست" کہا تھا لیکن حضورؐ نے ایسا نہیں کیا۔ لہٰذا حدیثِ غدیر میں مولا کا معنیٰ "دوست" ہرگز درست نہیں بلکہ وُہی معنیٰ درست ہے جس کے مطابق علیؑ کو مولا تسلیم کرنے پر حرث تیار نہ تھا۔ اور منکر ہو کر مبتلائے عذاب ہوا اور ہلاک ہو گیا۔ اللہ ہمیں اس بات سے محفوظ رکھے کہ ہم اُس معنیٰ میں علیؑ کو اپنا مولا تسلیم کرنے سے اِنکار کریں ہم تو صدقِ دِل سے اپنے مولا علیؑ کو رسُولؐ کے بعد تمام مخلوقات سے افضل، رسُولؐ کے وزیر اور خلیفہ اور اپنے اِمام و ہادی تسلیم کرتے ہیں۔

خُطبۂ غدیر میں الفاظِ "وصی" اور "خلیفہ"

مُفتیٔ اعظم اہلِ سنۃ والجماعۃ علّامہ محمد سلیمان حنفی نقشبندی قندوزی بلخی نے اپنی تصنیف ینابیع المودّۃ مطبُوعہ اسلامبول جلد اوّل صـ۱۱۵ میں لکھا ہے کہ جب رسُولِ خُدا نے "من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ" ارشاد فرمایا تو قرآن مجید کی آیۂ مبارکہ[1] "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" نازل ہوئی[2] تب تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت پر خوش

---

[1] یہ آیت پارہ ۶ سورۃ المائدہ کی ہے [2] ترجمہ آیۂ مبارکہ: "آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور تم پر پورا کر دیا اپنی نعمت کو۔ اور میں راضی ہوا کہ اِسلام تمہارا دین مانا جائے"

ہوکر، رسولِ خُدا نے "اللہ اکبر" فرمایا۔ تو حضرت سلمان فارسیؓ (صحابیٔ رسولؐ)
نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! کیا یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل
ہوئی ہے؟" حضورؐ نے فرمایا "بیشک علیؑ اور میرے روزِ قیامت تک
کے اوصیاءؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔" (یعنی آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ
لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کے مخاطب صرف حضورؐ اور آپ کے اوصیا ہیں۔ جن پر
نعمت کو پورا کیا۔ تو معلوم ہو گیا کہ "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" سے کون مُراد
ہیں) پس حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے لئے اُنہیں بیان
فرما دیجئے (کہ وُہ اوصیاءؑ کون ہیں؟) حضورؐ نے فرمایا کہ اُن کا اوّل علیؑ ہے
اور وُہ میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور میرا خلیفہ ہے پھر حسنؑ،
پھر حسینؑ اور پھر حسینؑ کی اولاد میں سے نو (اوصیاءؑ) ہوں گے۔"
لفظ وصی کا مزید ثبوت مروج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل

مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۷۵ اور شواہد النبوۃ مولانا جامی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۶۴
پر ملاحظہ فرمائیے۔

مندرجہ بالا تمام حوالوں سے ثابت ہوا کہ مقامِ غدیرِ خُم پر رسولؐ نے
حضرت علیؑ کو دوست کے معنیٰ میں نہیں بلکہ وصی و خلیفہ کے معنیٰ میں مولاؐ
فرما کر دستارِ ولیعہدی باندھی تھی۔ اور حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک
بارہ اوصیاءؑ کی خبر دے دی تھی۔

اثنا عشر (یعنی ۱۲) خلفاءؑ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے بارہ خلفا کا ذکر
کئی مرتبہ فرمایا اور اُنہی کو "ائمہ"، "امراء"، "اوصیاء" ارشاد فرمایا جیسا کہ قرآنِ
مجید مع ترجمہ و تفسیر شاہ عبد القادر محدث دہلوی مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ پارہ

۶۔ سُورۃ المائدہ میں ارشادِ پروردگار "وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا" کی تفسیر حاشیہ پر یُوں مرقوم ہے :۔ ایک عہد اُس اُمت سے تھا کہ رسُول جو بعد پیدا ہوں اُن کی مدد کرو۔ اُس کے بدل ہم سے یہ ہے کہ خلفاء کی اطاعت کرو۔ یہ مذکورہ بارہ سرداروں کا یہاں فرمایا اسی اشارہ کو کہ حضرتؐ نے بتایا ہے کہ میری اُمت میں بارہ خلیفہ ہوں گے قوم قریش سے۔"

عبدالقادر محدث دہلوی کی تفسیر "موضح القرآن" کی مندرجہ بالا عبارت سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ رسُولؐ نے خلفاء کی تعداد بارہ بتائی تھی بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اُن بارہ خلفاء کی اطاعت فرض ہے۔ بارہ خلفاء کے متعلق احادیث حسب ذیل کُتب میں مُلاحظہ فرمایئے :۔

۱۔ تاریخ الخلفاء امام جلال الدین سیوطی (اُردو) مطبوعہ صدیقی (مطبع

زمیندار) لاہور ص۵ (۲) صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی، جلد ۳، کتاب الاحکام ص۷۹۰ حدیث نمبر ۲۰۸۶ باب ۱۱۸۶ (۳) صحیح مسلم مع شرح نووی (عربی) مطبوعہ مصر الجزء الثالث کتاب الإمارۃ ص۱۴۵۲/۱۴۵۳ (۴) مشکوٰۃ مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد سوم باب مناقب قریش و ذکر القبائل ص۲۲۹ حدیث نمبر ۵۷۲۹ (۵) ترمذی (نور محمد اصح المطابع کراچی والی) مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی جلد دوم ص۱۹ حدیث ۹۰۔

اب فیصلہ طلب امر یہ ہے کہ وُہ بارہ ۱۲ واجب الاطاعت خلفا کونسے ہیں؟ مذہبِ امامیہ کے مطابق وُہ بارہ ۱۲ واجب الاطاعت خلفائے رسُولؐ یہ ہیں :۔

۱۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ (۲) حضرت امام حسنؑ (۳) حضرت امام حسینؑ (۴) حضرت امام زین العابدین علیؑ (۵) حضرت امام محمد باقرؑ۔

(۶) حضرت امام جعفر صادقؑ (۷) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (۸) حضرت امام علی رضاؑ (۹) حضرت امام محمد تقیؑ (۱۰) حضرت امام علی نقیؑ (۱۱) حضرت امام حسن عسکریؑ (۱۲) حضرت امام مہدیؑ۔

مذہبِ اثنا عشری کا یہ عقیدہ ارشاداتِ رسولؐ کے مطابق ہے جیسا کہ مفتیٔ اعظم اہلِ سنت والجماعت علامہ محمد سلیمان حنفی کی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول جلد ا صفحہ ۱۱۵ سے حدیثِ غدیر نقل ہوئی لیکن شرح فقۂ اکبر علامہ علی قاری حنفی مطبوعہ مجتبائی دہلی کے صفحہ ۸۴ پر "بارہ خلفاء" کی دوسری فہرست لکھی ہوئی ہے جس میں یزید بن معاویہ کو چھٹا خلیفہ شمار کیا گیا ہے اسی سلسلہ میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۲۹ صفحہ ۴۲۹ بھی ملاحظہ ہو علاوہ ازیں صحیح بخاری مترجم مطبوعہ سعیدی کراچی جلد ۳ کتاب الفتن صفحہ ۴۲۵ حدیث نمبر ۱۹۸۴ کی مندرجہ ذیل عبارت بھی قابلِ غور ہے:-

"سلیمان بن حرب، حماد بن زید، ایوب، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت فسخ کر دی تو ابنِ عمر نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر عہد شکنی کرنے والے کے لیئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم اس شخص[1] کی بیعت، خدا اور اس کے رسول کے موافق[2] کر چکے ہیں میں نہیں جانتا کہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی بیوفائی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت خدا اور اس کے رسول کے موافق کی جائے پھر اس سے جنگ کی جائے میں نہیں جانتا کہ تم میں سے جو شخص اس[3] کو تختِ خلافت سے معزول کرے گا اور اس کی اطاعت سے رُوگردانی کرے گا

[1] یعنی یزید کی [2] معاذ اللہ یعنی یزید کی اطاعت کو، خدا و رسول کی اطاعت سمجھا [3] یعنی یزید کو

تو ہمارے اور اس کے درمیان جدائی کا پردہ حائل ہوگا۔

صحیح بخاری کی مندرجہ بالا عبارت اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے یزید کی بیعت کی تھی اور عبداللہ مذکور کی نظر میں یزید خلیفہ برحق تھا (معاذ اللہ) بلکہ وہ یزید کی بیعت کو خدا اور رسولؐ کی بیعت سمجھتے تھے (نعوذ باللہ)

مہتمم دارالعلوم دیوبند حافظ قاری محمد طیب صاحب اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۸۸ پر مقدمہ ابن خلدون کی عبارت کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں :-

"کہیں تم اس غلطی میں مت پڑ جانا کہ تم ان لوگوں کو جو حضرت حسینؑ کی رائے کے مخالف تھے اور ان کی مدد کے لئے (عملاً) کھڑے نہیں ہوئے گنہگار کہنے لگو اس لئے کہ وہ صحابہ کی اکثریت ہے جو یزید کے ساتھ تھے

اور اس پر خروج جائز نہیں سمجھتے تھے"

اور "شہید کربلا اور یزید" کے صفحہ ۸۲ پر یوں لکھتے ہیں :-

"حضرت حسینؑ کو باغی کہنے کا منصوبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ یزید خلیفہ برحق تھا اور اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ظاہر کی گئی ہے کہ صحابہ کی اکثریت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی"

لیکن شرح فقہ اکبر علامہ علی قاری حنفی کی فہرست میں سے، سوائے حضرت علیؑ کے، کسی کو بھی مذہب امامیہ میں خلیفہ تسلیم نہیں کیا جاتا یزید کا تو ذکر ہی کیا؟ لیکن عام طور پر محض بغض و تعصب کی وجہ سے، مذہب امامیہ کے پیروکاروں کو قاتلانِ حسینؑ کہا جاتا ہے (نعوذ باللہ)

قاتلانِ حسینؑ کا مذہب

کوئی جاہل بھی اس کا انکار نہ کرے گا کہ امام حسینؑ اور اصحاب حسینؑ نے

یزید کی بیعت نہیں کی اور یزید کو ہرگز خلیفہ تسلیم نہیں کیا جب کہ اس کے بالکل
برعکس قاتلانِ حسینؑ یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے تھے اور اُس کی بیعت کر
چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ کے قاتلوں نے حضرت امام حسینؑ اور اُن
کے اصحابِ باوفا کو بھوکا پیاسا رکھ کر نہایت ظالمانہ طریقوں سے شہید کیا۔
کیونکہ قاتلانِ حسینؑ کی نظر میں امام علیہ السّلام اور ان کے اصحابِ باوفا
معاذ اللہ خلیفہ برحق کے باغی تھے لہٰذا قاتلانِ حسینؑ اُسی مذہب کے پیروکار
تھے جس میں یزید کو خلیفہ اور امیر المومنین تسلیم کیا جاتا رہا۔ قاتلانِ حسین علیہ السلام
کو مذہب امامیہ کے پیروکار کہنا مبنی بر تعصب و جہالت ہے کیونکہ مذہب
امامیہ میں یزید کو خلیفہ تو کجا، مومن ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ البتہ علامہ علی قاری
حنفی نے شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۸۸ سطر ۲۲ میں یزید کو ایمان والا
تحریر کیا ہے۔

۲۔ یزید کے والد کی فوج حضرت علی مرتضیٰؑ کے خلاف جنگِ صفین میں،
ایک مقتول کے قصاص کا مطالبہ کرتی ہوئی لڑی تھی۔ اُس فوج کا مذہب، مذہب
امامیہ کے بالکل برعکس تھا کیونکہ وہ مقتول مذہب امامیہ کا پیشوا نہیں تھا۔
اور نہ ہی اُس "مطالبہ قصاص" سے مذہب امامیہ کا کوئی تعلق ہے۔ یزید کو
تخت نشین ہونے کے بعد اپنے والد کی وہی صفین والی فوج ورثہ میں ملی کیونکہ
کوئی عقلمند انسان یہ تسلیم نہیں کرے گا کہ یزید کے والد کی وفات کے ساتھ
ہی ساری فوج بھی مرگئی تھی۔ لہٰذا یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ یزید
اپنے والد کے اُسی لشکرِ صفین کا وارث ہوا جس کا مذہب "مطالبہ قصاص" تھا۔
اُسی فوج نے میدانِ کربلا میں نواسہ رسولؐ کا خون بہایا۔ اُس فوج کا مذہب
ظاہر ہے۔

۳۔ لشکرِ یزید کا مذہب "مطالبہ قصاص" کے عین مطابق تھا جیسا کہ تاریخ اہل

والملوک ابنِ جریر طبری مع فرانسیسی ترجمہ (مطبوعہ ای ۔ جے برِل) جلد ۲ (۱) صفحہ ۳۴۲

سطر ۵ تا ۸ میں ہے کہ اصحابِ[1] حسینؑ میں سے نافع بن ہلالؓ میدانِ جنگ میں

نکلے اور یہ رجز پڑھا "میں جملی[2] ہوں اور میں علیؑ کے دین پر ہوں" اُن کا مقابلہ

کرنے کے لئے لشکرِ یزید سے مزاحم بن حریث نکلا۔ اُس نے کہا کہ "میں ....[3]

کے دین پر ہوں" یہ سُن کر حضرت نافع بن ہلالؓ نے فرمایا "تو شیطان کے دین

پر ہے" پھر مزاحم پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا۔

نوٹ طبری کی اِس عبارت سے بھی لشکرِ یزید کا مذہب نمایاں ہو جاتا ہے

---

[1] اختصار کے پیشِ نظر طبری کی عربی عبارت چھوڑ کر مفہوم لکھا گیا۔ [2] رجز کے الفاظ "انا الجملی وانا علیٰ دین علیؑ" ہیں۔ [3] یہاں طبری کی عبارت میں ایک ایسے شخص کا نام ہے جس کا عقیدت مند شخص مذہبِ امامیہ کا پیرو کار ہرگز نہیں ہو سکتا میں نام نہیں لکھ سکتا طبری دیکھیے (محمد علی)

بلکہ مزاحم بن حریث کے پیشوائے دین کے خلاف اصحابِ حسینؑ کا مذہب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

عبیداللہ بن زیاد کا مذہب

تاریخ الرسل والملوک ابنِ جریر طبری مع فرانسیسی[1] ترجمہ جلد ۲ (۱)

صفحہ ۳۱۱ سطر ۱۸ تا صفحہ ۳۱۲ سطر ۲ کی عبارت یوں ہے:-

"جاء من عبیداللہ بن زیاد کتاب الی عمر بن سعد اما بعد فحل بین الحسین واصحابہ وبین الماء ولا یذوقوا منہ قطرۃ کما صنع بالتقی الزکی المظلوم امیر المومنین ....[2] بن ....[3]

---

[1] مطبوعہ ای جے برِل۔ [2]، [3] یہاں طبری کی عبارت میں ایک شخص کا نام اور اُس کے والد کا نام ہے جن کے "مطالبۂ قصاص" کے مطابق ہے طبری ہی میں دیکھیے۔ رواداری ملحوظ ہے اس لئے میں نہیں لکھ سکتا۔ (محمد علی)

ترجمہ :۔ عبیداللہ بن زیاد کی جانب سے عمر بن سعد کے پاس تحریری حکم پہنچا
کہ "امابعد، حسینؑ و اصحابِ حسینؑ، اور پانی کے درمیان حائل ہو اور وہ اُس
میں سے ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جیسا کہ تقی، زکی، مظلوم امیرالمومنین ...
... بن ...... سے کیا گیا تھا۔"

نوٹ :۔ عبیداللہ بن زیاد اُس کا عقیدتمند تھا جس کو "تقی، زکی، مظلوم،
امیرالمومنین" کہا لیکن مذہبِ امامیہ کی رُو سے وُہ شخص تقی، زکی، مظلوم اور
امیرالمومنین ہرگز نہیں بلکہ ایسا شخص تھا کہ اُس کا عقیدت مند مذہبِ امامیہ
کا پیرو کار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بات طبری میں نام پڑھ کر معلوم ہو جاتی ہے۔

شمر کا مذہب

جب لشکرِ یزید، سرِ امام حسینؑ لے کر دمشق پہنچا تو یزید
کے سامنے شمر نے جو تقریر کی اُسے علامہ دمیری نے
حیات الحیوان جلد اوّل صفحہ ۱۰۶ میں یوں لکھا ہے :۔

"ثم تکلم شمر ابن ذی الجوشن فقال یا امیر المومنین
ورد علینا ھذا یعنی الحسینؑ فی ثمانیہ عشر رجلاً فی اھلبیتہ
و ستین رجلا من شیعتہ فسرنا الیھم و سئلنا ھم النزول
علی حکم امیرنا عبیداللہ بن زیاد او القتال فاختار والقتال"۔

یعنی "پھر شمر بولا، پس کہنے لگا "اے امیرالمومنین[1] یہ یعنی حسینؑ ہم پر وارد ہوا
اس کے ہمراہ اٹھارہ ۱۸ مرد اس کے گھر والوں میں سے اور ساٹھ مرد اس کے
شیعہ تھے پس ہم ان کی طرف پہنچے اور ہم نے اُن سے کہا کہ یا تو ہمارے امیر
عبیداللہ بن زیاد کے حکم پر جُھک جائیں یعنی بیعت کر لیں یا جنگ کر لیں۔
پس اُنہوں نے جنگ کو اختیار کیا۔"

---

[1] شمر نے یزید کو امیرالمومنین کہا (معاذاللہ)

نکتہ ۱ مذہبِ امامیہ کی رُو سے حضرت علیؑ کے سوائے کوئی بھی امیرالمومنین نہیں۔ یہاں تک کہ ائمۂ اہلبیتؑ میں سے کوئی اَور امام بھی امیرالمومنین نہیں ہے لیکن شمر تو یزید کو "امیرالمومنین" تسلیم کرتا تھا۔ لہٰذا شمر کا مذہبِ امامیہ سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وُہ اس مذہب کا پیروکار تھا، جس میں یزید کو خلیفہ اَور امیرالمومنین، مانا جاتا رہا ہے۔ مذہبِ امامیہ کی رُو سے تو یزید مومن ہی نہیں تھا البتہ علاّمہ علی قاری حنفی کی کتاب شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۸۸ سطر ۲۲ میں اُسے ایمان والا تسلیم کیا گیا ہے دیکھیے الفاظ "ولا یخفی انّ ایمان یزید محقق" شرح فقہ اکبر میں موجود ہیں۔

نکتہ ۲ شمر کی تقریر میں "ستین رجلاً من شیعتہ" کے الفاظ اِس امر کی دلیل ہیں کہ اصحابِ حسینؑ، اِمامِ مظلومؑ کے شیعہ تھے۔

عُمر بن سعد کون تھا

غیر شیعہ حضرات کی روایت کے مطابق حضورؐ نے دس آدمیوں کو جنّت کی بشارت دی تھی۔ اُن دس صحابیوں کو غیر شیعہ حضرات "عشرۂ مبشّرہ" کہتے ہیں۔ اِس "عشرۂ مبشّرہ" میں سے ایک صحابی سعد بن ابی وقاص تھے۔ اُنہی کا بیٹا عُمر بن سعد تھا۔ جو واقعۂ کربلا میں لشکرِ یزید کا کمانڈر اِن چیف تھا۔

شمس العلماء علاّمہ شبلی نعمانی نے "الفارُوق" مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ حِصّۂ دوم کے ص۳۲-۳۳ پر گورنروں کی فہرست لکھّی ہے۔[1] حمص کا گورنر عُمر بن سعد کو لِکھّا ہے۔ اَور کیفیّت کے خانے[1] میں اِس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت ....[2] اُنکی بہت عزّت کرتے تھے۔

---

[1] "الفارُوق" شبلی نعمانی دیکھیے۔ [2] "الفاروق" میں اِس جگہ ایک نام لِکھّا ہُوا ہے۔

(نوٹ:۔ علامہ شبلی نعمانی نے انکی "لفظ غالباً احتراماً ہی لکھا ہے)

نکتہ | عمر بن سعد جن کا مقرر کردہ گورنر تھا انہیں خلیفہ بھی تسلیم کرتا تھا اور وہ بھی عمر بن سعد کی عزت کرتے تھے۔ لہٰذا عمر بن سعد کا مذہب ظاہر ہے کیونکہ عمر بن سعد کے "خلیفہ" کا مذہب امامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔

شمر کس مذہب کا راوی ہے

۱۔ علامہ عبدالغنی البحرانی الشافعی کی کتاب "قرۃ العینین فی ضبط اسماء رجال الصحیحین" مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ص۲ میں مقصد کتاب یہ لکھا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے راویوں کے ناموں کی توضیح کی جائے۔ پھر ص۳۵ پر ایک راوی کے نام کی توضیح یوں کی ہے:۔

"شمر بکسر الشین وسکون المیم آخرہ راء وزنہ شبر"

یعنی شمر (یوں پڑھا جائے گا) شین کے نیچے زیر اور میم ساکن اور آخر میں رے "ر" وزن اس کا شبر ہے۔

شاید کوئی شخص شبہ کرے کہ "یہ قاتل امام نہیں بلکہ کوئی اور شمر ہے" اس لئے شبہ رفع کرنے کے لئے حسب ذیل ثبوت پیش کئے جاتے ہیں:۔

۲۔ تجرید اسماء الصحابہ مصنفہ ابن الاثیر الجزری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن جلد اوّل ص۱۸۰ ترجمہ نمبر ۱۶۴۳ میں شمر کے باپ ذوالجوشن کے متعلق یوں لکھا ہے "ولہ حدیث فی کتاب الحیل روی عنہ ابنہ شمر" یعنی ذوالجوشن کی ایک حدیث کتاب الحیل[1] میں ہے۔ جسے اس کے بیٹے شمر نے روایت کیا ہے۔

۳۔ "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" علامہ ذہبی مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر

---

[1] کتاب الحیل، صحیح بخاری ہی میں ہے۔

جلد اوّل حرف الشین صـ ۴۴۹ ترجمہ نمبر ۳۶۸۶ میں یُوں لکھا ہے:۔

"شمر بن ذی الجوشن أبو السابقة الضیابی عن ابیه و
عنه ابو اسحاق السبیعي لیس بأهل للروایة فانه احد
قتلة الحسین وقد قتله أعوان المختار" یعنی شمر بن ذی الجوشن
ابو سابقہ (کنیت) ضیائی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور شمر سے
ابُو اسحاق سبعی روایت کرتا ہے (حالانکہ شمر) روایت کا اہل نہیں تھا
پس تحقیق وُہ قاتلانِ حسینؑ میں سے تھا اور اُس کو مختار کے مددگاروں نے
قتل کیا۔

نوٹ:۔ اگرچہ علامہ ذہبی کے نزدیک شمر اِس قابل نہیں تھا کہ روایت
کرے لیکن غیرِ شیعہ حضرات جس کتاب کو قرآنِ مجید کے بعد سب سے زیادہ
صحیح کتاب سمجھتے ہیں۔ وُہ صحیح بخاری ہے جس میں محمد بن اسمٰعیل بخاری

نے شمر کی روایت کو صحیح تسلیم کر کے نقل کیا۔

بہرحال اِن حوالوں کو تحریر کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ امام حسینؑ
کے قاتل یزیدیوں کا مذہب ہرگز امامیہ نہ تھا بلکہ قاتلانِ حسینؑ، مذہب
امامیہ کے برعکس "مطالبۂ قصاص" کے موافق مذہب رکھتے ہوئے اُن لوگوں
کو خلیفہ سمجھتے تھے جنہیں مذہبِ امامیہ میں ہرگز خلیفہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔
یہاں تک کہ قاتلانِ حسینؑ کی نظر میں یزید بھی خلیفہ اور امیر المومنین تھا (معاذ اللہ)

مذہبِ اہلِ کوفہ

بعض لوگ اہلِ کوفہ کی اکثریت کو مذہبِ امامیہ کی پیروکار قرار دینے
کے لیے محض یہ دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ کوفہ کو حضرت علیؑ نے دارالسلطنت
بنا کر وہاں کافی عرصہ قیام فرمایا لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت علیؑ کوفہ میں

مذہب امامیہ کی تبلیغ فرماتے تھے؟ اگر کہا جائے "ہاں"۔ تو مذہب امامیہ کی حقانیت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر کہا جائے "نہیں"، تو یہ بات کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے کہ حضرت علیؑ کوفہ میں تبلیغ تو دُوسرے مذہب کی فرمائیں، اور پھیلایا جائے مذہب امامیہ؟ آخر حضرت علیؑ کے قیامِ کوفہ کی وجہ سے اکثریتِ اہلِ کوفہ کا مذہب امامیہ کیسے قرار دیا جائے گا؟

کوفہ کی بنیاد حضرت ...؎۱ نے رکھی دیکھئے "الفاروق" شبلی نعمانی شائع کردہ سجاد پبلیکیشنز لاہور صفحہ ۳۲۴۔ اور بانیٔ کوفہ حضرت ...؎۲ نے ہی کوفہ کی تعریف کی اور اسے "راسِ اسلام" (یعنی اسلام کا سر) کہا۔ دیکھئے "الفاروق" (سجاد پبلیکیشنز والی) صفحہ ۳۲۶۔ جس شہر کی بنیاد رکھنے والے کا مذہبِ امامیہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور اُس کی تعریف کرنے والے

؎۱ نام "الفاروق" میں دیکھئے ؎۲ وُہی نام

گالی دیتے تھے اور یہ فعل منبروں پر اور اس کے علاوہ بھی علانیہ کرتے تھے۔"

یعنی ایک شیعہ تو وُہ تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو خلیفۂ بلافصل تو کجا، چوتھا خلیفہ بھی تسلیم نہیں کیا تھا وُہ ایک مقتول کے شیعہ کہلاتے تھے۔ اور حضرت علیؑ کو گالیاں دیتے تھے۔

دُوسری طرف، حضرت علیؑ کو خلیفہ تسلیم کر کے شامی حکومت کے خلاف لڑنے والے لوگ تھے جو اُس مقتول کے شامی شیعوں کے مقابلہ پر شیعانِ علیؑ کہلاتے تھے لیکن اُن میں دو مختلف عقیدوں کے لوگ تھے۔ ایک وُہ تھے جو حضرت علیؑ کو چوتھے غیر معصوم خلیفہ سمجھتے تھے۔ دُوسرے وُہ تھے جو حضرت علیؑ کو رسولؐ کے معصوم خلیفۂ اوّل تسلیم کرتے تھے۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم کے لوگ اگرچہ شامی حکومت کے خلاف ہونے کی وجہ سے شیعانِ علیؑ کہلاتے تھے لیکن اُن کا مذہب

امامیہ نہیں تھا کیونکہ وُہ حضرت علیؑ کو غیر معصُوم چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے
اور حضرت علیؑ سے (معاذ اللہ) غلطی صادر ہونے کو ممکن سمجھتے تھے اور
یہی لوگ اکثریّت میں تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب لشکرِ شام نے
جنگِ صفّین میں خوفناک شکست سے بچنے کے لئے قرآن مجید کو بلند کیا
اور حضرت علیؑ نے اپنے لشکر والوں کو حکم دیا کہ جنگ بند نہ کریں۔ تو
حضرت علیؑ کو معصُوم امام تسلیم کرنے والے کم تعداد کے لوگ لڑتے
رہے لیکن حضرت علیؑ کو غیر معصُوم سمجھنے والوں نے حکمِ امام علیہ السّلام
کو (معاذ اللہ) غیر صحیح سمجھا اور لڑائی بند کر کے حضرت علیؑ پر زور دیا
کہ جو لوگ لڑ رہے ہیں اُنہیں واپس بُلا لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اُن کا
مذہب امامیہ ہرگز نہ تھا! اور وُہی اکثریّت میں تھے ورنہ حضرت علیؑ لڑائی
بند کرنے پر مجبور نہ ہوتے۔ مذہبِ شیعہ کی بعض کتابوں میں حضرت علیؑ

اور امام حسنؑ نے اُنہی لوگوں کی نافرمانی پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔ اگرچہ یہ
لوگ شامیوں کے برخلاف امتیاز کے لئے شیعیانِ علیؑ تو کہلاتے تھے۔
لیکن اعتقاداً یہ لوگ اُس مقتول کے معتقدین تھے جس کے شیعہ حکومتِ
شام کی متابعت کرنے والے لوگ تھے۔ پھر جب امام حسنؑ نے حکومت چھوڑ
دی۔ تو یہی حضرت علیؑ کو غیر معصوم خلیفہ سمجھنے والے کوفہ کے لوگ اور
اہلِ شام ایک جماعت ہو گئے۔ اسی لئے حاکمِ شام نے اُس برس کا نام
"عام الجماعۃ" رکھا۔ دیکھئے تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی (عربی) مطبوعہ
مطبع سرکاری لاہور ۱۸۷۰ء صفحہ ۱۹۴ سطر ۲۱۔ اور منہاج السنۃ النبویہ
ابنِ تیمیہ مطبوعہ مطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق مصر الجزء الثانی صفحہ ۲۲۵
سطر ۲۴۔ اور اس کے بعد شیعیانِ علیؑ کہلانے والے وہی لوگ رہ گئے
جو مذہبِ امامیہ کے مطابق علیؑ کو رسُولؐ کے خلیفہ بلافصل اور امامِ معصُوم

تسلیم کرتے تھے اُن کو زیاد بن سمیہ نے قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ واقعۂ کربلا سے
پہلے ہی شیعیانِ علیؑ بہت کم رہ گئے تھے۔ پھر یہ کہنا کہ واقعۂ کربلا کے وقت
کوفہ میں شیعیانِ علیؑ کی اکثریت تھی۔ قطعاً غلط ہے۔

ایمانِ حضرتِ ابوطالبؑ

ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی بھی معتبر کتاب سے ثابت نہیں ہے کہ
حضرت ابوطالبؑ نے (معاذ اللہ) کبھی بت پرستی کی ہو۔ کسی شخص نے
کبھی ابوطالبؑ کو بت پوجتے ہوئے دیکھنے کی گواہی نہیں دی۔ بلکہ حضرت
ابوطالبؑ نے کبھی کسی بت کی تعریف نہیں کی۔ پھر یہ خیال کرنا کہ رسولؐ کے
اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت ابوطالبؑ (معاذ اللہ) بت پرستی والے
مذہب پر تھے، قطعاً غلط ہے جب کہ حضرت ابوطالبؑ نے رسولِ خداؐ

ایسے لوگ ہوں۔ اور پھر کوفہ میں نہ تو خود بانیٔ کوفہ نے مذہبِ امامیہ
کی تبلیغ کروائی۔ نہ ہی حضرت علیؑ سے پہلے والی حکومت نے کوفہ
میں مذہبِ امامیہ کی تبلیغ کی۔ اور نہ ہی غیر شیعہ حضرات اس بات کو
قبول کر سکتے ہیں کہ کوفہ میں حضرت علیؑ مذہبِ امامیہ ہی کی تبلیغ فرماتے
تھے۔ پھر یہ کہنا کہ شہادتِ حسینؑ کے وقت کوفہ میں مذہبِ شیعہ امامیہ
کے پیروکاروں کی "اکثریت تھی" کیونکر درست ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ کوفہ میں مذہبِ امامیہ کے پیروکار عہدِ حکومتِ
مولا علیؑ میں بھی بہت کم تھے۔ پھر جب امام حسنؑ نے خونریزی سے نفرت
فرماتے ہوئے حکومت چھوڑ دی تو کوفہ پر شامی حکومت قابض ہوگئی۔ اور
شرائطِ صلح میں محبانِ علیؑ کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن شامی حکومت
کے گورنر کوفہ زیاد بن سمیہ نے شیعیانِ علیؑ کو چن چن کر قتل کیا۔ یہاں تک کہ

کوفہ میں گنتی کے چند افراد مذہبِ امامیہ کے پیروکاروں میں سے باقی رہ گئے
جیسا کہ تاریخ الرسل والملوک طبری مطبوعہ مع فرانسیسی ترجمہ (ای۔ جے
برل) جلد ۲ (۱) صفحہ ۲۴۵ میں ہے کہ جب عبیداللہ ابن زیاد کو حضرت مسلمؑ
ابن عقیلؑ کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ حضرت ہانی بن عروہؓ کے گھر میں پناہ گزین
ہیں تو ابنِ زیاد نے ہانیؓ کو بلا کر یوں گفتگو کی :۔

"فقال عبیداللہ یا ھانی أما تعلم ان ابی قدم ھذا البلد فلم
یترک أحداً من ھذہ الشیعۃ الا قتلہ غیر ابیک وغیر
حجر وکان من حجر ما قد علمت"۔

ترجمہ :۔ پس عبیداللہ (ابن زیاد) نے کہا "اے ہانی کیا تو نہیں جانتا
کہ میرا باپ اس شہر میں وارد ہوا تو اس نے ان شیعوں میں سے کسی کو بھی
قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا تھا سوائے تیرے باپ (یعنی عروہ) اور حجر

(ابنِ عدی ابن حاتم طائی) کے اور حجر کا جو حال ہوا وہ بھی تو جانتا ہے"۔
ظاہر ہے کہ زیاد بن سمیہ کے ان مظالم اور قتل و غارت کے بعد
کوفہ میں مذہبِ شیعہ امامیہ کے پیروکار چند افراد ہی رہ گئے تھے اور اس
کے بعد واقعہ کربلا تک کوفہ پر بنو امیہ ہی کی سلطنت رہی لہٰذا یہ قطعاً
ممکن ہی نہیں کہ واقعہ کربلا کے وقت کوفہ میں مذہبِ امامیہ کے پیروکاروں
کی اکثریت ثابت ہو سکے۔

تین قسم کے شیعہ

آج کل تو صرف انہی لوگوں کو "شیعہ" کہا جاتا ہے جو حضرت علیؑ کو
رسولؐ کے خلیفۂ بلافصل تسلیم کرتے ہیں لیکن حضرت علیؑ کی حکومت کے زمانہ
میں تین قسم کے شیعہ تھے یعنی جب گورنرِ شام نے مرکز سے علیحدہ ہو کر شام

میں الگ حکومت قائم کر لی اَور "مطالبۂ قصاص" اُٹھایا۔ تو جنگِ صفّین ہوئی
پس جن لوگوں نے حکومتِ شام کی متابعت میں حضرت علیؑ کے خلاف جنگِ
صفّین لڑی اَور "مطالبۂ قصاص" کیا اُنہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی
ہی نہیں یعنی خلیفہ تسلیم ہی نہیں کیا۔ وُہ شامی گروہ کے لوگ ایک
مقتول کے شیعہ کہلاتے تھے جیسا کہ امام اہل سنۃ والجماعۃ ابن تیمیہ اپنی
کتاب منہاج السنۃ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۷۸ میں لکھتے ہیں:۔

"وقد کان من شیعۃ ...[1]... من یسب علیا و یجھر
بذلک علی المنابر وغیرھا"

ترجمہ:۔ "اَور ...[2]... کے شیعہ تھے جو حضرت علیؑ کو (معاذ اللہ)

---

[1] منہاج السنۃ کی عبارت میں اِس مقام پر ایک نام موجود ہے وہیں دیکھ لیا جائے۔ [2] یہاں ترجمہ میں بھی وہی نام سمجھ لیا جائے۔

"در روایتِ ابن اسحٰق آمده که وی اِسلام آورد نزدیک بوقتِ موت
و گفته که چوں قریب شد موتِ وی نظر کرد بسوی وی و دید که می جنبانید لبهائے
خود را پس گوش نهاد عبّاس بسوی او و گفت با نحضرتؐ یا ابن اخی واللہ تحقیق
گفت برادرِ من کلمہ را که امر کردی تو او را بدان کلمہ"

ترجمہ:۔ روایتِ ابنِ اسحاق میں آیا ہے کہ وُہ (یعنی حضرت ابُوطالبؑ)
وقتِ وفات کے نزدیک اِسلام لائے، اَور (ابنِ اسحٰق نے) کہا کہ جب
اُن کی (یعنی ابُوطالبؑ کی) موت قریب ہوئی تو عبّاسؓ نے ان کی طرف نظر کی
اَور دیکھا کہ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے ہیں۔ پس عبّاسؓ نے اپنا کان حضرت
ابُوطالبؑ کے نزدیک کیا اَور آنحضرتؐ سے کہنے لگے "اے بھتیجے! قسم خدا کی،
بتحقیق میرے بھائی نے وُہی کلمہ کہا جس کلمہ کا آپؐ نے اُن کو حکم دیا تھا"

۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ

مصر المجلد الثالث ص۳۱۲ سطر ۲۰ میں یوں مرقوم ہے:-

"عن أبی بکر بن أبی قحافہ ان أبا طالب ما مات حتی
قال لا اله الا الله محمد رسول الله" یعنی حضرت ابوبکر بن ابو
قحافہ سے روایت ہے کہ ابوطالبؑ نے کلمہ لا اله الا الله محمدؐ رسول
الله پڑھے بغیر وفات نہیں پائی۔

نوٹ:- شیخ عبدالحق محدث دہلوی اہل سنۃ والجماعۃ کے ایسے عالم و محدّث
تھے کہ اُن کو علامہ احمد رضا خان بریلوی نے "شیخ الشیوخ علماء الہند" "شیخ محقق"
اور رسولِ خدا کی برکت قرار دیا ہے (دیکھئے کتاب ہذا ثبوتِ ماتم میں عنوان
مقامِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی) اب رہے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی تو اُن کا
عقیدہ خلافت وہی تھا جو حضرات اہل سنۃ والجماعۃ کا ہے۔ علامہ معتزلی
کا مذہب امامیہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ مذہب اہل سنۃ والجماعۃ کی رُو

سے بھی حضرت ابُوطالبؑ مسلمان تھے۔

نکتہ سچے مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مرتے وقت میری زبان پر
کلمۂ شہادت ہو۔ اگر کوئی مسلمان بوقتِ وفات کلمۂ شہادت پڑھے
تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وُہ اُسی وقت مسلمان ہوا ہے حضرت ابُوطالبؑ
پہلے ہی سے مسلم مومن تھے۔ انہوں نے بھی وقتِ وفات اسی طرح کلمۂ شہادت
پڑھا جس طرح مومن مسلمان مرتے وقت پڑھتے ہیں۔ وقتِ وفات حضرت
ابُوطالبؑ نے کلمہ پہلی مرتبہ نہیں پڑھا تھا لیکن عبّاسؓ کو اسلامِ ابُوطالبؑ
کا عِلم اُسی وقت ہوا تھا اس لئے وُہ یہ سمجھے کہ اب اسلام لائے لیکن حضورؐ
کو بخوبی علم تھا کہ حضرت ابُوطالبؑ پہلے بھی مومن ہی تھے۔ پھر حضورؐ نے
کلمہ پڑھنے کو جو کہا تھا اُس کا مقصد محض یہ تھا کہ آخری وقت کلمۂ شہادت
کا ذکر چاہیئے جس طرح ہم لوگ بھی اپنے قریب المرگ عزیزوں کو کلمہ

پڑھنے کے لئے کہتے ہیں۔

اقرارِ نبوّت و رسالت

حضرت ابُوطالبؑ دینِ ابراہیمیؑ پر ہونے کی وجہ سے، اعلانِ نبوّتِ رسالتمآبؐ سے پہلے بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے قائل یعنی موحّد تو تھے ہی، پھر اعلانِ نبوّت کے بعد اقرارِ نبوّت و رسالتؐ بھی فرمالیا جس کو اشعار کے ذریعے بھی ظاہر کیا۔

۴ "السیرۃ النبویہ" (یعنی سیرۃ ابنِ ہشام) مطبوعہ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی وادلادہ مصر الجزء الاوّل ص۲۷۷ سطر ۵ میں ہے کہ حضرت ابُوطالبؑ نے قریش کو مخاطب کرکے یہ شعر پڑھا:۔

اَلَم تعلموا اَنّا وجدنا محمّداً　　نبیاً کموسیٰ خط فی اوّل الکتب

اور حضرت خدیجہؑ کے نکاح کا خطبہ پڑھا اور اُس خطبۂ نکاح میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکرِ خیر نمایاں طور سے کیا۔ ثبوت کے لئے سیرۃ حلبیہ مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر ۱۳۲۰ھ الجزء الاوّل ص۱۵۴ ملاحظہ فرمائیے۔ اگر معاذ اللہ بُت پرست ہوتے تو بُتوں کا ذکر کرتے۔

حضرت رسُولِ خداؐ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہؑ اور حضرت علیؑ کے والد حضرت ابُوطالبؑ دونوں لائقِ صد احترام بزرگ نُورِ محمّدیؐ کے حامل تھے کیونکہ اللہ نے جو نُورِ محمّدیؐ سب سے پہلے پیدا کیا تھا حضرت علیؑ بھی

۱؎ نُورِ محمّدیؐ کا ثبوت اہلِ حدیث کے علّامہ وحید الزماں حیدرآبادی کی کتاب "ہدیۃ المہدی" مطبوعہ میور پریس دہلی ص۵۶، اور دیوبندیوں کے علّامہ اشرف علی تھانوی کی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ" ص۶ میں دیکھئے (۲) حدیث "اوّل ما خلق اللہ نُوری" مدارج النبوۃ مصنفہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے ص۲ پر موجود ہے۔

ب طبری
ـ کہ

ں ہوں اور
ں الامۃ" مصنفہ علامہ سبط ابن
علامہ سلیمان حنفی میں بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ
ایک جزء صلب حضرت عبداللہؑ میں رہا۔ اور اُسی نور کا دوسرا
جزء صلب حضرت ابوطالبؑ میں رہا۔ لہٰذا حضرت عبداللہؑ اور حضرت ابوطالبؑ
دونوں کو حاملانِ نورِ محمدیؐ ہونے کی وجہ سے، اللہ نے کفر و شرک وغیرہ سے
پاک و منزہ رکھا کیونکہ اللہ کی مخلوقات میں سے نورِ محمدیؐ سب سے افضل اور
سب سے زیادہ طاہر مخلوق ہے اِس لئے اللہ نے اُس پاک نور کو کبھی کسی

مشرک و کافر کے نجس صلب میں منتقل نہیں کیا بلکہ ہمیشہ پاک صلبوں اور ارحامِ
طاہرہ میں منتقل فرماتا رہا۔ دیکھئے "شمولِ اسلام" مصنفہ علامہ احمد رضا خاں
بریلوی شائع کردہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحبؒ لاہور اور "مدارج النبوۃ"
مصنفہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی مطبوعہ ناصری شاہدرہ (نزد دہلی) جلد دوم
ص ۶۲۔ لہٰذا جس طرح حضرت عبداللہؑ حاملِ نورِ محمدیؐ (والدِ رسولؐ) ہونے
کی وجہ سے کفر و شرک وغیرہ سے قطعاً پاک و منزہ رہے اور دینِ ابراہیمؑ پر
تھے، اُسی طرح حضرت ابوطالبؑ حاملِ نورِ محمدیؐ (والدِ علیؑ) ہونے کی وجہ
سے نجاستِ کفر و شرک سے قطعاً محفوظ و منزہ رہے یعنی رسولؐ کے اعلانِ
نبوّت سے پہلے حضرت ابوطالبؑ دینِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ پر قائم، ابراہیمی
مسلمان اور موحّد تھے یعنی شروع سے ہی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کے قائل تھے
پھر جب اعلانِ رسالتؐ ہوا تو حضرت ابوطالبؑ نے نبوّت و رسالتِ مصطفےٰ

کا اقرار بھی کرلیا لیکن غیر شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اُنہوں نے (معاذ اللہ) مرتے وقت بھی کلمہ نہیں پڑھا۔ حالانکہ اُنہی کی کتابوں سے اِس غلط دعویٰ کی تردید ہوتی ہے جیسا کہ "مدارج النبوۃ" مطبوعہ ناصری جلد دوم صـ۲۲ سطر ۱۹۔ ۲۰ میں شیخ عبدالحق محدّث حنفی دہلوی یُوں لکھتے ہیں :- "ونیز می آرند کہ عباس سرِ خود را نزد او برد و شنید از وی کلمۂ شہادت و بحضرت رسانید پس گفت اسلم عمک یا رسول اللہ پس خوشحال شد آنحضرت ص"۔ یعنی "یہ بھی روایت ہے کہ عبّاس رض اپنے سر کو اُن (ابُوطالب ع) کے نزدیک لے گئے اور اُن سے کلمۂ شہادت سُنا اور حضور ص تک پہنچا دیا۔ پھر کہنے لگے "آپ ص کے چچا مُسلمان ہُوئے یا رسُول اللہ ص!" تو حضور ص خوش ہوئے۔"

۲۔ "مدارج النبوۃ" مطبوعہ مذکورہ جلد دوم صـ۶۲ سطر ۲ تا ۵ میں حضرت ابُوطالب ع کے متعلق یُوں مرقوم ہے :-

کیا "الرسول"، "رسول الملیک" اور "رسول الالٰہ" کے الفاظ اقرارِ رسالت نہیں؟ ثابت ہُوا کہ حضرت اُبوطالب ع، محمد مصطفےٰ ص کو نبی اور رسُولِ خُدا تسلیم کرتے تھے اور پہلے ہی مسلمان مومن تھے اِسی لئے محنت کے ساتھ اشعار تیار کر کے نبوّت و رسالتِ محمدیہ ص کی تبلیغ فرماتے تھے۔

۹۔ شرح نہج البلاغہ المجلّد الثالث صـ۳۱۵ سطر ۳ میں یُوں مرقوم ہے :-

"ومن شعر أبی طالب یخاطب أخاہ حمزہ وکان یکنی أبا یعلی

فصبراً أبا یعلی علی دین أحمد — وکن مظھراً للدین وُفقت صابرا

وحط من أتی بالحق من عند ربہ — بصدق وعزم لا تکن حمز کافرا

فقد سرنی اذ قلت انک مومن — فکن لرسول اللہ فی اللہ ناصرا

وباد قریشا بالذی قد أتیتہ — جھاراً وقل ما کان أحمد ساحرا

ترجمہ:۔ اور یہ اشعار ابوطالبؑ کے ہیں جو انہوں نے اپنے بھائی حمزہؑ
کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ اور حمزہؑ کی کنیت ابویعلی تھی:۔

ترجمۂ اشعار:۔ اے ابا یعلی (حمزہ) دینِ احمدؐ پر قائم رہ، اور ثابت قدمی
کے ساتھ دین کا مددگار بن، اور اے حمزہؑ کافر مت ہونا (بلکہ) صدقِ
عزم کے ساتھ، آنحضرتؐ کی حفاظت کر جو اپنے رب کی طرف سے حق لے
کر آئے ہیں۔ مجھے یہ بات بھلی معلوم ہوئی جب تو نے کہا کہ تو مومن ہے
پس اللہ کے رسولؐ کا ناصر بن جا برائے خدا، اور توحید (اسلام) لایا
ہے اس کا کھلم کھلا اعلان قریش میں کر دے۔ اور (ان کو) بتا دے
کہ احمدؐ کوئی جادوگر نہیں ہیں۔

نوٹ: حضرت ابوطالبؑ نے مندرجہ بالا اشعار میں حضرت محمد مصطفٰےؐ
کو واضح طور پر رسول اللہؐ تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت حمزہؑ کو رسولؐ

کی نصرت کی تلقین و ترغیب دی، اِن اشعار سے ثابت ہے کہ حضرت
ابوطالبؑ نے اپنے شعر کہنے کی قوّت کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور محمد
مصطفٰےؐ کی حمایت و نصرت و نعت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا قطعاً
غلط ہے کہ ابوطالبؑ مسلمان نہ تھے (معاذ اللہ) اور اسی طرح یہ بات بھی
صحیح نہیں کہ "وفات کے نزدیک مسلمان ہوئے تھے" بلکہ حقیقت یہی ہے کہ
شروع ہی سے مومن تھے۔

۱۰۔ جعفرؑ کو نماز کا حکم

"انسان العیون" یعنی سیرۃ حلبیہ مصنفہ علی برہان الدین حلبی شافعی مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر الجزء الاوّل
صفحہ ۲۹۴ سطر ۵ میں یوں مرقوم ہے:۔

"(وفی اسد الغابۃ) ان اباطالب رأی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وعلیا یصلیان وعلی علی یمینہ فقال لجعفر

ترجمہ: "کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو موسیٰؑ کی مانند نبی پایا (آنحضرتؐ کا) ذکر پہلی کتابوں میں (بھی) موجود ہے۔" حضرت ابوطالبؑ نے قریش کے سامنے یہ شعر پڑھ کر نبوتِ محمدیہ کا کھلم کھلا اعلان فرمایا اور بغرضِ تبلیغِ اسلام قریش کے رُوبرو نبوتِ محمدیہ کی یہ دلیل بھی پیش کی کہ پہلی کتابوں میں بھی حضورؐ کا ذکر ہے۔ اِس واضح اقرارِ نبوت سے ثابت ہے کہ ابوطالبؑ وقتِ وفات مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ پہلے ہی سے مومن تھے۔

۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ مطبعۃ دار الکتب العربیہ الکبری مصر جلد ثالث صفحہ ۳۱۵ میں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے رسولِ خدا کو مخاطب کر کے یہ نعتیہ شعر پڑھا:۔

انت النبی محمدؐ قرم أغر مسوّد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ صل جناح ابن عمک فصل عن یسارہ"

ترجمہ:۔ "(اور اسد الغابہ میں ہے) کہ ابوطالبؑ نے نبیؐ اور علیؑ دونوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور علیؑ آنحضرتؐ کے دہنی جانب تھے۔ (پس حضرت ابوطالبؑ نے جعفرؑ سے فرمایا۔ اپنے چچا کے بیٹے (یعنی رسولؐ) کے (ہمراہ) ایک جانب تُو (بھی) نماز پڑھ۔" پس جعفرؑ نے آنحضرتؐ کے بائیں جانب نماز پڑھی۔"

نوٹ:۔ حضرت جعفرؑ کا یہ واقعہ، حافظِ حدیثِ اہل سنۃ والجماعۃ، ابن حجر عسقلانی نے اپنی تصنیف "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" مطبوعہ مطبعۃ الشرفیہ جلد ۴، الجزء السابع (۷)، صفحہ ۱۱۳ سطر ۲۲ میں لکھا ہے اور "السیرۃ النبویہ" مصنفہ احمد زینی شافعی (المشہور دحلان) مفتی شافعیہ، مکہ معظمہ، مطبوعہ مطبعۃ الازہر مصر (جو سیرۃ حلبیہ کے حاشیہ پر طبع شدہ ہے) الجزء الاول صفحہ ۲۰۲ میں بھی موجود ہے۔

ترجمہ:- آپ تو نبی محمدؐ ہیں، روشن پیشانی والے بزرگ سردار۔"

نکتہ | اگر ابوطالبؑ (معاذ اللہ) غیر مسلم ہوتے تو حضورؐ کو نبی کیونکر تسلیم کر سکتے تھے؟ اور (معاذ اللہ) اگر غیر مسلم ہوتے ہوئے یہ شعر کہا ہوتا تو حضورؐ ضرور دریافت فرماتے کہ آپ مجھے نبی تسلیم کرتے ہوئے بھی کلمہ کیوں نہیں پڑھتے؟ لیکن حضورؐ نے نہیں پوچھا کیونکہ حضرت رسولِ خداؐ بخوبی جانتے تھے کہ ابوطالبؑ محض مسلمان نہیں بلکہ مبلغِ اسلام مومن ہیں۔

۶۔ شرح نہج البلاغہ المجلد الثالث ص۳۱۳ میں حضرت ابوطالبؑ کے جو اشعار منقول ہیں اُن میں حضرت رسالتمآبؐ کے متعلق یہ مصرعہ، ایمانِ ابوطالبؑ کا واضح ثبوت ہے:-

"نبی اتاہ الوحی من عند ربہ" یعنی حضورؐ نبی ہیں آپ کے

پاس آپ کے رب کی جانب سے وحی آتی ہے۔" کیا یہ مصرعہ اقرارِ رسالت نہیں؟

۷۔ شرح نہج البلاغہ المجلد الثالث ص۳۱۴ میں حضرت ابوطالبؑ کے وُہ اشعار منقول ہیں جو آپ نے بادشاہِ حبشہ نجاشی کے پاس لکھ کر بھیجے تھے۔ اُن اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے:-

الا لیت شعری کیف فی النّاس جعفر

وعمرو اعدا النبی الاقارب

یعنی اللہ جانے کہ جعفر و عمرو کا اُن لوگوں میں کیا حال ہے۔ اور دشمنانِ نبیؐ کس حال میں ہیں۔

نوٹ:- مسلمان ہجرت کر کے حبشہ گئے تو کفارِ قریش کے بعض آدمی اُن کے پیچھے حبشہ گئے تاکہ شاہِ حبشہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر مسلمانوں

کو حبشہ سے نکلوادیں حضرت ابُوطالبؑ نے اُنہی کو نبیؐ کے دُشمن کہا ہے
لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ جُملۂ "اعلی النّبی" میں حضورؐ کی نبوت کا اقرار
ہے بلکہ بادشاہ نجاشی کو نبوّتِ رسالتمآبؐ کی تبلیغ بھی۔ ظاہر ہے کہ
حضرت ابُوطالبؑ شروع ہی سے مومن تھے۔

۸۔ شرح نہج البلاغہ جلد ثالث ص۳۱۴ میں حضرت ابُوطالبؑ کے یہ
اشعار موجود ہیں:۔

نصرت الرسول رسول الملیک   ببیض تلألأ کلمع البروق
أذب واحمی رسول الالٰه   حمایة حام علیه شفیق

ترجمہ:۔ میں نے بجلیوں کی مانند چمکتی ہوئی شمشیروں کے ذریعہ رسُولِ
خُداؐ کی مدد کی ہیں جو معبُود کے رسُولؐ کی حمایت و حفاظت کرتا ہوں (یہ)
ایک شفیق حمایت کرنے والے کی حمایت ہے۔

کی عظیم الشّان دلیل یعنی وصیّتِ ابُوطالبؑ پر پردہ ڈالنے کے لیئے روایت
وصیت کے ساتھ یہ اضافہ کر دیا کہ رسُولؐ نے کلمہ پڑھنے کو کہا لیکن (معاذ اللہ)
حضرت ابُوطالبؑ نے انکار کر دیا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ ابُوطالبؑ نے موت
کے خوف سے کلمہ پڑھا تاہم کہتے ہیں کہ جو ابُوطالبؑ، اپنے بھائی حمزہؑ کو
اعلانِ ایمان کی یُوں ترغیب دیں کہ قریش کے سامنے کُھلم کُھلا اعلان
کر دے، اور خود بھی قریش کے رُوبرو صاف لفظوں میں اعلان کریں
کہ ہم نے محمدؐ کو موسٰیؑ کی مانند نبی پایا" اور وُہی ابُوطالبؑ قریش کے بار بار
مطالبہ کرنے پر بھی حمایتِ رسُولؐ سے دست کش نہ ہوں، اور اسی حمایتِ
اسلام کی وجہ سے شعبِ ابی طالبؑ میں محصُور رہ کر فاقے کرنا گوارا کریں اور
پھر بسترِ وفات پر بھی بنی ہاشم کو تصدیقِ رسالتؐ اور اطاعت و اتباعِ
پیغمبرؐ کی وصیّت فرماتے ہُوئے قریش کی پرواہ نہ کریں پھر اُنہیں

کو حبشہ سے نکلوادیں حضرت ابوطالبؑ نے اُنہی کو نبیؐ کے دُشمن کہا ہے
لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ جُملۂ "اعداء النبی" میں حضورؐ کی نبوت کا اقرار
ہے بلکہ بادشاہ نجاشی کو نبوّتِ رسالتمآبؐ کی تبلیغ بھی۔ ظاہر ہے کہ
حضرت ابوطالبؑ شروع ہی سے مومن تھے۔

۸۔ شرح نہج البلاغہ جلد ثالث ص۳۱۴ میں حضرت ابوطالبؑ کے یہ
اشعار موجود ہیں:۔

نصرت الرسول رسول المليك ‏ ببيض تلألأ كلمع البروق

أذب واحمي رسول الاله ‏ حماية حام عليه شفيق

ترجمہ: "میں نے بجلیوں کی مانند چمکتی ہوئی شمشیروں کے ذریعہ رسولِ
خُداؐ کی مدد کی ہیں جو معبود کے رسولؐ کی حمایت وحفاظت کرتا ہوں (یہ)
ایک شفیق حمایت کرنے والے کی حمایت ہے۔

کی عظیم الشان دلیل یعنی وصیّتِ ابوطالبؑ پر پردہ ڈالنے کے لئے روایت
وصیت کے ساتھ یہ اضافہ کر دیا کہ رسولؐ نے کلمہ پڑھنے کو کہا لیکن (معاذ اللہ)
حضرت ابوطالبؑ نے انکار کر دیا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ ابوطالبؑ نے موت
کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ جو ابوطالبؑ، اپنے بھائی حمزہؓ کو
اعلانِ ایمان کی یوں ترغیب دیں کہ قریش کے سامنے کھُلم کھُلا اعلان
کر دے، اور خود بھی قریش کے رُوبرو صاف لفظوں میں اعلان کریں
کہ ہم نے محمدؐ کو موسیٰؑ کی مانند نبی پایا" اور وہی ابوطالبؑ قریش کے بار بار
مطالبہ کرنے پر بھی حمایتِ رسولؐ سے دست کش نہ ہوں، اور اسی حمایتِ
اسلام کی وجہ سے شعبِ ابی طالبؑ میں محصور ہو کر فاقے کرنا گوارا کریں اور
پھر بسترِ وفات پر بھی بنی ہاشمؑ کو تصدیقِ رسالتؐ اور اطاعت و اتباعِ
پیغمبرؐ کی وصیت فرماتے ہوئے قریش کی پرواہ نہ کریں پھر انہیں

بھی اسلام کی تبلیغ فرمائی ثبوت حسب ذیل ہے:-

۱۱۔ "انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون" (یعنی سیرۃ حلبیہ) مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر الجزء الاوّل صفحہ ۳۸۳ سطر ۲۵۔۲۶ اور "الطبقات الکبیر" مصنفہ محمد بن سعد کاتب الواقدی (یعنی "طبقاتِ ابنِ سعد") مطبوعہ بریل لیدن الجزء الاوّل صفحہ ۷۸ میں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی:-

فقال لن تزالوا بخیر ما سمعتم من محمد وما اتبعتم امرہ فاتبعوہ واعینوہ ترشدوا" یعنی حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا "تم لوگوں نے جو محمدؐ سے سنا ہے اور جو کچھ تم نے آنحضرتؐ کی پیروی کی ہے اِس خیر کو زائل نہ کرنا پس تم حضورؐ کی پیروی کرو اور حضورؐ کی مدد کرو، ہدایت پاؤگے"۔

حضرت ابوطالبؑ کی یہ وصیت ایمانِ ابوطالبؑ کی واضح دلیل ہے کیونکہ یہ بات غیر مسلم سے عمل میں نہیں آسکتی کہ وہ بسترِ مرگ پر بھی اتباعِ رسولؐ کی تلقین کرے اور تعلیماتِ رسولؐ کو "خیر" قرار دے کر ہدایت کو اتباعِ رسولؐ پر منحصر قرار دے۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابوطالبؑ اسلام کے مایۂ ناز مبلغ اور مومنِ کامل تھے جنہوں نے اپنے آخری سانس تک اسلام کی تبلیغ فرمائی۔

۱۲۔ سیرۃ حلبیہ مطبوعہ مطبعۃ الازہریہ مصر الجزء الاوّل صفحہ ۳۸۱ سطر ۱۔۲ اور سیرۃ حلبیہ کے حاشیہ پر سیرۃ النبویہ دحلان شافعی الجزء الاوّل صفحہ ۹۹ میں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنی وفات کے وقت بنی ہاشم کو یوں وصیت فرمائی:-

"ان اباطالب قال عند موتہ یا معشر بنی ہاشم

لوگوں کا خوف ہو، یہ ناممکن ہے لیکن افسوسناک امر تو یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ (والدِ رسولؐ) کے متعلق یہ روایت ہے :-

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيْنَ اَبِيْ قَالَ فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا قَفَا الرَّجُلُ دَعَاهُ فَقَالَ اِنَّ اَبِيْ وَاَبَاكَ فِي النَّارِ	ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہؐ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں جب وہ پیٹھ موڑ کر چلا تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔

(نعوذ باللہ من ذالک) یہ روایت صحیح مسلم مترجم مع نووی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد اوّل صفحہ ۴۰۹ میں ہے۔ باب کا عنوان یہ ہے

"جو شخص کفر پر مرے وہ جہنم میں جائے گا اور اس کی شفاعت نہ ہوگی۔ اور بزرگوں کی عزیزداری کچھ کام نہ آوے گی" (نعوذ باللہ)

مذہب آلِ محمدؐ

ائمہ اہلبیتؑ کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت آدمؑ سے حضرت عبداللہؑ اور حضرت ابوطالبؑ تک، رسولِ خدا اور مولا علیؑ کے تمام آباؤ اجداد پاک ہیں۔ اور حضرت عبداللہؑ و ابوطالبؑ دونوں مومن اور جنتی ہیں۔ خیال رہے کہ آزر حضرت خلیلؑ کا چچا تھا، والد نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد "تارخ" تھے۔ دیکھئے "شمولِ اسلام" مصنفہ علامہ احمد رضا خاں بریلوی شائع کردہ نوری کتبخانہ بازار داتا صاحب لاہور۔

یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ حاملانِ نورِ محمدیؐ (حضرت عبداللہؑ اور ابوطالبؑ) کو تو معاذ اللہ مومن تسلیم نہ کیا جائے اور یزید جیسے دشمنِ اہلبیتؑ کو

نکتہ

حضرت عمران (یعنی ابُوطالبؑ) کی جاں نثاریوں کو "محض بھتیجے کی محبت" پر مبنی قرار دے دیا جائے تو بھی حضرت ابُوطالبؑ کا اپنے بیٹے کو خود نماز کی ترغیب دینا اور خود کہہ کر نماز پڑھوانا، ایسا امر بالمعروف ہے جسے "محض بھتیجے کی محبت پر مبنی غیر مسلم کا فعل" تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اپنے بیٹے کو نماز پڑھنے کا حکم دینا، فی الحقیقت اسلام کی تعلیم دینا ہے بھلا کسی غیر مسلم سے یہ بات کہاں وقوع میں آسکتی ہے کہ وُہ اپنے بھائیوں، اپنے عزیزوں اور اپنے بیٹوں کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تبلیغ بھی کرے اور خود کہہ کر نمازیں بھی پڑھوائے، حضرت ابوطالبؑ کا اپنے بیٹے جعفر کو خود کہہ کر نماز پڑھوانا، ایمانِ ابُوطالبؑ کی ناقابلِ تردید برہان ہے جو اِس بات کا بھی ثبوت ہے کہ حضرت ابُوطالبؑ اسلام کے مبلغ تھے حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت ابُوطالبؑ نے بسترِ وفات پر

"ایمان لا" کو شرح فقہ اکبر مُلا علی قاری حنفی مطبوعہ مجتبائی دہلی صـ۸۸ میں تحریر کیا جائے، بھلا اِس رویّے کو "محبّت اہلبیتؑ" پر مبنی کیونکر سمجھا جائے؟ ہمارے غیر شیعہ مسلمان بھائیوں کو اِس بات پر ہمدردی سے غور فرمانا چاہیئے اور حضرت عبدُاللہ و ابُوطالبؑ دونوں کو مؤمن اور جنتی تسلیم کرنا چاہیئے تاکہ رسُولِ خداؐ کو اذیّت دینے سے بچے رہیں جب کہ مُفتی احمد یار خاں صاحب بدایُونی، مُفتی اہل سنۃ والجماعۃ، جامعہ غوثیہ گجرات اپنی کتاب تفسیرِ نعیمی جلد دُوم صـ۱۰۶ سطر ۷ میں تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابُوطالبؑ کے کفر پر مرنے کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت ابُوطالبؑ کے متعلق معاذاللہ کلمہ نہ پڑھنے کی یا معاذاللہ عذاب کی تمام روایات غیر یقینی ہیں جو دُشمنانِ علیؑ کی وضع کردہ ہیں حضرت ابُوطالبؑ یقیناً مومن کامل و مبلغِ اِسلام تھے۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ المُنعِم ط

(محمد علی ٹیاپوری)

حصہ اوّل تمام شد

لوگوں کا خوف ہو، یہ ناممکن ہے لیکن افسوسناک امر تو یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ (والدِ رسولؐ) کے متعلق یہ روایت ہے:۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيْنَ اَبِيْ قَالَ فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا قَفَّىٰ دَعَاهُ فَقَالَ اِنَّ اَبِيْ وَاَبَاكَ فِي النَّارِ

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہؐ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں جب وہ پیٹھ موڑ کر چلا تو آپ نے اُس کو بلایا اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔

(نعوذ باللہ من ذالک) یہ روایت صحیح مسلم مترجم مع نووی مطبوعہ مکتبہ سعودیہ کراچی جلد اوّل صـ۴۰۹ میں ہے۔ باب کا عنوان یہ ہے

"جو شخص کفر پر مرے وُہ جہنم میں جائے گا اور اس کی شفاعت نہ ہوگی۔ اور بزرگوں کی عزیزداری کچھ کام نہ آوے گی۔" (نعوذ باللہ)

مذہبِ آلِ محمدؐ

ائمہ اہلبیتؑ کا اِس پر اجماع ہے کہ حضرت آدمؑ سے حضرت عبداللہؑ اور حضرتِ ابوطالبؑ تک، رسولِ خداؐ اور مولا علیؑ کے تمام آباؤ اجداد پاک ہیں۔ اور حضرت عبداللہؑ و ابوطالبؑ دونوں مومن اور جنتی ہیں۔ خیال رہے کہ آزر حضرت خلیلؑ کا چچا تھا، والد نہیں۔ حضرتِ ابراہیمؑ کے والد "تارخ" تھے۔ دیکھئے "شمولِ اسلام" مصنفہ علامہ احمد رضا خاں بریلوی شائع کردہ نوری کتبخانہ بازار داتا صاحب لاہور۔

یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ حاملانِ نورِ محمدیؐ (حضرت عبداللہؑ اور ابوطالبؑ) کو تو معاذ اللہ مومن تسلیم نہ کیا جائے اور یزید جیسے دشمنِ اہلبیتؑ کو

اطیعوا محمداً وصدقوہ تفلحوا وترشدوا۔" ترجمہ: ابُو
نے اپنی وفات کے نزدیک فرمایا "اے گروہِ بنی ہاشمؑ، محمدؐ کی اطا
کرو، اور آنحضرتؐ کی تصدیق کرو، تم فلاح اور ہدایت پاؤ گے
حضورؐ کی تصدیق واطاعت ہی تو اسلام ہے جس کی تلقین ابُو
نکتہ نے بنی ہاشمؑ کو بسترِ وفات پر بھی فرمائی۔ پھر بھلا یہ بات کیس
معقول سمجھی جائے کہ جو ابُوطالبؑ بوقتِ وفات بھی اطاعتِ پیغ
تصدیقِ رسالتؐ کو راہِ فلاح اور ہدایت قرار دے کر اسلام کی تبلی
وُہ خود ہی غیر مُسلم تصور کیے جائیں؟ (معاذ اللہ) یقیناً ابُوطالبؑ
اور مبلغِ اسلام تھے جو اپنی اولاد ہی کو نہیں بلکہ تمام بنو ہاشم کو مُسلم
چاہتے تھے۔

لیکن بنی امیہ کی شامی حکومت کے ہمنواؤں نے ایمانِ ابُو